وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا
(البقرۃ: ۲۶۹)

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

جلد ۲۹ شمارہ ۲

ربیع الثانی۔ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۱ھ اپریل۔ جون ۲۰۱۰ء

بیادگار:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ـــ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

مدیر مسئول: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر: حافظ عاطف وحید

نائب مدیر:
حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
حافظ محمد زبیر۔ حافظ نذیر احمد ہاشمی
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

یکے از مطبوعات مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔فون 3-35869501

ویب سائٹ : www.tanzeem.org

ای میل: publications@tanzeem.org

سالانہ زرِتعاون : 200 روپے ، فی شمارہ :50 روپے

اس شمارے میں

حرفِ اوّل

رفتید ولے نہ از دلِ ما — ڈاکٹر ابصار احمد — 3

مضامین قرآن

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ — ڈاکٹر اسرار احمد — 5

فہمُ القرآن

ترجمۂ قرآن مجید' مع صرفی ونحوی تشریح — لطف الرحمٰن خان — 11

حکمت نبویؐ

انسانی زندگی کی قدر و قیمت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 21

موتُ العالِم موتُ العالَم

ڈاکٹر اسرار احمدؒ — ایک عظیم داعئ قرآن — نثار احمد ملک — 25

دعوت و تحریک

موجودہ دور میں رجوع الی القرآن کی دعوت — محمد رضی الاسلام ندوی — 35

بحث و نظر

اہل السنّت والجماعۃ کون؟(۵) — حافظ نذیر احمد ہاشمی — 55

کتاب نما

تعارف وتبصرہ — ادارہ — 66

ایجاد و ابداعِ عالم

THE PROCESS OF CREATION — Dr. Israr Ahmad — 84

بیان القرآن

MESSAGE OF THE QURAN — Dr. Israr Ahmad — 96

رفتید ولے نہ از دلِ ما

از: ڈاکٹر ابصار احمد

موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس کا مشاہدہ ہر شخص کرتا ہے۔ تمام ذی حیات نفوس کو جو اس دنیا میں آتے ہیں ایک وقتِ مقررہ (جسے از روئے قرآن ایک لحہ بھی آگے یا پیچھے نہیں کیا جا سکتا) پر علائقِ دُنیوی کو خیر باد کہنا ہوتا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ موت کا تجربہ ہمارے صرف جسدِ خاکی پر وارد ہوتا ہے جبکہ ہمارا ملکوتی عنصر یا روح اس حادثہ سے محفوظ رہتی ہے۔ اور یہی فرق ہے ایک مادہ پرست منکرِ دین و مذہب اور حیاتِ اُخروی کو تسلیم کرنے والے کے درمیان۔ مؤخر الذکر شخص موت کو قفسِ عنصری سے آزادی اور ''انتقال'' کے معنوں میں لیتا ہے جس کے بعد روح عالمِ برزخ میں منتقل ہو کر حیاتِ جاودانی سے ہمکنار ہوتی ہے اور اپنے ربّ کی رحمت اور ایمان' عمل صالح اور حق کے لیے کیے گئے جہاد کا بھرپور صلہ پاتی ہے۔ کسی بھی عزیز کے اس جہانِ فانی سے کوچ کا معاملہ فطری طور پر رنج اور صدمے کا ہوتا ہے۔ لیکن اہل ایمان اس صدمے پر جزع فزع کرنے کی بجائے صبر سے برداشت کر کے اللہ تعالیٰ کے اجر کا مستحق بنتے ہیں اور یہی مفہوم نبی آخر الزمان (ﷺ) سے منقول ایک دعائیہ روایت میں ملتا ہے۔

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن' بانی تنظیم اسلامی و داعی تحریکِ خلافت ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کا ۱۴/اپریل ۲۰۱۰ء کو رحلت فرما جانا جہاں ایک طرف بہت بڑا سانحہ ہے' جس کا اثر ان کے شروع کیے ہوئے کاموں پر پڑ سکتا ہے' وہیں اس کا اثر ''حکمت قرآن'' پر بھی ہو گا...... جس کا آغاز ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے کیا اور ان کا نام اب بھی بیادگار کے طور پر ''حکمت قرآن'' پر لکھا جاتا ہے' جبکہ صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور اس مؤقر رسالے کے مدیر مسئول تھے۔ لیکن اب ان کی رحلت سے ''حکمت قرآن'' کے انتظامی معاملات میں تبدیلی ناگزیر ہے' جو جریدے کے ڈیکلریشن میں دی گئی تفصیلات کے اعتبار سے بھی ضروری ہے۔ راقم اب اس مجلّہ کا مدیر مسئول ہو گا اور برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا نام ڈاکٹر رفیع الدین کے ساتھ بیادگار کے طور پر آئے گا۔

مجھے اس موقع پر عربی کے ایک مقولہ ''کبّرنی موتُ الکُبراء'' کا حقیقتاً احساس ہو رہا ہے کہ راقم اس عظیم ذمہ داری کا اہل تو نہیں کیونکہ ڈاکٹر اسرار احمد میں جو بلند ہمتی' اعلیٰ صلاحیتیں اور جودتِ فکری پائی جاتی تھیں' وہ میں اپنے اندر نہیں پاتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی علمی وجاہت کا عالمی سطح پر اعتراف جارج ٹاؤن (امریکہ) سے شائع

شدہ کتاب "The 500 Most Influential Muslims" میں بھی کیا گیا ہے' جس میں آپ کو "Scholars" کی کیٹیگری میں نمایاں مقام دیا گیا ہے۔لیکن ظاہر بات ہے کہ ان کے شروع کیے ہوئے کاموں کو جاری رکھنا ہم سب کی ذمہ داری ہے' اس کے لیے مرکزی انجمن خدام القرآن کو صدر منتخب کرنا ہی تھا...... چنانچہ مرکزی انجمن خدام القرآن کی شوریٰ کا ایک خصوصی اجلاس ہوا جس میں کامل اتفاق کے ساتھ مجھے بطور صدر منتخب کیا گیا۔ میں اراکین شوریٰ سے امید کرتا ہوں کہ جس طرح انہوں نے مجھے منتخب کرتے ہوئے میرے اوپر بھرپور اعتماد ظاہر کیا اسی طرح وہ آئندہ بھی مرکزی انجمن خدام القرآن کے انتظامی معاملات میں میری معاونت کریں گے۔ میں الحمد للہ فلاسفی میں پی ایچ ڈی ہوں جو میں نے ۱۹۷۳ء میں انگلینڈ سے کی تھی۔ پنجاب یونیورسٹی شعبہ فلسفہ میں پروفیسر کے عہدے پر رہا ہوں اور اب سے کچھ عرصہ پہلے ریٹائر ہو گیا ہوں۔ راقم کو ڈاکٹر اسرار احمد کے چھوٹے بھائی ہونے کی وجہ سے ان کی صحبت اور براہِ راست شاگردی میں رہنے کا موقع نصیب ہوا اور میں کسی نہ کسی انداز میں ان کی معاونت کرتا رہا ہوں۔ میں نے انہیں مرکزی انجمن خدام القرآن کے معاملات اور "حکمت قرآن" کے معیار کے بارے میں بہت حساس پایا ہے۔لہٰذا ہماری کوشش ہے کہ جس طرح "حکمت قرآن" کو وہ بڑے احسن اور پُروقار انداز میں چلا رہے تھے' تو اب انہی کے معین کردہ خطوط پر ہم اس پرچے کو ان شاء اللہ اسی انداز میں جاری رکھیں گے جو قرآن کی دعوت اور فکر کو اعلیٰ معیار پر پیش کر رہا ہے۔

"حکمت قرآن" کے معیار کا اندازہ لگانا ہو تو وہ آپ کو اس کی پرانی جلدوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ اس جریدے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی' مولانا محمد طاسین' مولانا سید حامد میاں' پروفیسر مرزا محمد منور' چوہدری مظفر حسین' ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ' پروفیسر حافظ احمد یار جیسے مشاہیر اور نامور اہل علم کی رشحاتِ قلم اس میں چھپیں' جن کی فکر' قرآن کریم کے محور کے گرد گھومتی تھی۔

اگرچہ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم اب ہم سے بچھڑ گئے' جن کی تحریریں اہل علم بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے اور ان کے افکار سے خوب استفادہ کرتے تھے' ان شاء اللہ ہماری بھرپور کوشش ہو گی کہ پہلے کی طرح ہم ان کی چیدہ چیدہ تحریروں سے اس رسالے کو مزین کرتے رہیں اور قارئین بالواسطہ طور پر ان سے رہنمائی حاصل کریں۔

اس علمی و دینی جریدے کے معیار کو قائم رکھنے اور مزید بہتر بنانے میں راقم کو قارئین کی آراء کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے لیے وہ لوگ جو علمی و فکری میدان میں تبحر علمی' جولانیٔ طبع اور راست فکری کے حامل ہیں' انہیں چاہیے کہ وہ ہمارے اس کام میں ہر لحاظ سے تعاون کریں تاکہ معاشرے میں علم و دعوتِ قرآنی فروغ پاسکیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں ان کے جاری کردہ کام کو آگے بڑھانے کی توفیق بخشے۔ آمین!

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ

از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ترتیب وتدوین: سید برہان علی - خالد محمود خضر

سُورۃ العنکبوت

جس زمانہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی اس وقت مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اور اسلام کی مخالفت پورے زور وشور سے کی جا رہی تھی۔ یہ مسلمانوں پر بڑے شدائد ومصائب اور ابتلا کا دور تھا۔ اس اعتبار سے میرے نزدیک یہ سورۃ قرآن حکیم کی اہم ترین سورۃ ہے کہ جب دعوتِ اسلامی‘ تحریکِ اسلامی دورِ ابتلا میں ہو‘ اُس پر تشدد کیا جا رہا ہو‘ اُس کے کارکن اور وابستگان آزمائشوں سے دوچار ہوں تو ایسی صورت میں جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا حل کیا ہے؟ اس ضمن میں اللہ کی طرف سے رہنمائی کیا ہے؟ علاوہ ازیں ایسے مشکل اور کٹھن حالات میں کن چیزوں سے قوت حاصل کی جا سکتی ہے؟ ایک بندۂ مؤمن اپنے لیے صبر اور سہارا کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

یہ تو سب جانتے ہیں کہ مخالفت اور استہزا تو نبی اکرم ﷺ کے آغازِ دعوت کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا‘ لیکن شروع میں یہ چیزیں زبانی کلامی رہیں۔ کبھی کسی نے شاعر کہہ دیا‘ کبھی پاگل کہہ دیا‘ کسی نے ساحر اور کسی نے مسحور کے فقرے چست کر دیے‘ کبھی مجنون کہہ دیا گیا۔ کسی نے کہا کہ یہ کسی اور سے dictation لیتے ہیں اور ہم پر دھونس جماتے ہیں۔ اس لیے آپؐ کو بار بار صبر کی تلقین کی جاتی رہی۔ جیسے سورۃ المزمل میں فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ﴿۱۰﴾﴾ ”اے نبی یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کیجیے اور اُن سے لاتعلقی اختیار کیجیے خوبصورتی کے ساتھ“۔ اس لیے کہ انہی کو دعوت دینی ہے اور راہِ راست پر لانا ہے تو لاتعلقی اس طریقہ سے ہونی چاہیے کہ رابطہ نہ ٹوٹے‘ پھر بات کرنے کا موقع تو رہے۔ سورۃ الحجر میں فرمایا گیا: ”اے نبی ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اُس سے آپ کا سینہ بھنچتا ہے‘ لیکن بہرحال آپ اپنے ربّ کی تسبیح وتحمید میں لگے رہیے اور اس کی جناب میں سجدے کرتے رہیے۔ اور اپنے ربّ کی بندگی میں لگے رہیے یہاں تک

کہ آپ کو موت آ جائے‘‘۔ (آیات ۹۷۔۹۹)

تقریباً چار برس تک یہ معاملہ اسی طرح چلتا رہا۔ لیکن اس کے بعد کُفّار ومشرکین نے یہ محسوس کیا کہ ہمارے زبانی کلامی بند باندھنے سے تو یہ دعوت نہیں رک رہی' بلکہ بات آگے پھیل رہی ہے۔ خصوصاً معاشرہ کے دو طبقات اس دعوت سے زیادہ متاثر ہو رہے تھے۔ ایک تو غلاموں کا طبقہ کہ وہ پسے ہوئے تھے۔ انہیں اس میں یہ اُمید کی کرن نظر آتی تھی کہ اگر یہ دعوت پھیلتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے تو شاید ہمارے ساتھ بھی انسانوں کا سا سلوک ہونے لگے اور ہمیں بھی کوئی انسانی حقوق حاصل ہو جائیں۔ دوسرے نوجوانوں کا طبقہ اس دعوت سے زیادہ متاثر ہو رہا تھا۔ نوجوانوں کا معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں ابھی بڑوں کے مقابلہ میں مصلحت اتنی زیادہ نہیں ہوتی۔ جب کوئی بات سمجھ میں آ گئی تو اسے قبول کرنا اور اس کے لیے لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہو جانا جوشِ جوانی کا تقاضا ہے۔ جس بات کے حق ہونے پر ان کا دل ٹُھک جائے تو وہ اس کے لیے جان و مال کی قربانی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ان دو طبقات میں دعوت پھیلنے اور لوگوں کے ایمان لانے سے کفار و مشرکین گھبرا گئے۔ لہٰذا اب انہوں نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے تشدد (persecution) کا طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ نوجوان صحابہؓ کو مارا پیٹا گیا اور انہیں گھروں میں بند کر دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اُن کے چچا نے ایک چٹائی میں لپیٹ کر اس طرح دھونی دی کہ دم نکلنے کے قریب ہو گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی والدہ نے مرن برت رکھ لیا کہ اگر سعد اپنے باپ کے دین میں واپس نہیں آتا تو نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گی۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اُن کے چچا نے مادر زاد برہنہ کر کے گھر سے نکال دیا۔ یہ وہ سلوک تھا جو قریش کے اعلیٰ گھرانوں کے چشم و چراغ نوجوانوں کے ساتھ روا رکھا گیا۔ جبکہ جو کچھ حضرات بلال' خباب بن الارت' آلِ یاسر رضی اللہ عنہم اور دیگر غلاموں اور کمزور لوگوں کے ساتھ ہو رہا تھا اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ان حالات میں بعض حضرات کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر ہم پر یہ دورِ ابتلا کب تک جاری رہے گا؟ یہ سختیاں کب ختم ہوں گی اور اللہ کی مدد کب آئے گی؟ چنانچہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اُس وقت آپؐ خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں چادر کا تکیہ بنائے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا حضور آپ ہمارے لیے دعا نہیں فرماتے کہ ہماری مصیبتوں کا یہ سلسلہ ختم ہو؟ اب تو یہ ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا ہے۔ اس پر آپؐ نے اظہارِ ناراضگی فرمایا۔ آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''تم لوگ جلدی مچا رہے ہو۔ ابھی تو تم پر وہ حالات آئے ہی نہیں جو تم سے پہلوں پر بیت چکے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایمان لانے والوں میں سے کسی کو لا کر اس کا آدھا جسم زمین میں دبا دیا جاتا تھا اور پھر سر پر آرا رکھ کر دو ٹکروں میں چیر دیا جاتا تھا۔ اہلِ ایمان کو زندہ آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ لوہے کے کنگھوں سے ان کی ہڈیوں پر سے گوشت کو کھرچ دیا جاتا تھا۔ خدا کی قسم وہ دن آ کر رہے گا کہ ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اس کو سوائے اللہ کے کسی کا ڈر نہ ہوگا''۔ یہ وہ حالات تھے جن میں یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی۔ مندرجہ بالا حدیث نبویؐ کا جو انداز ہے وہی انداز اس سورۃ کی ابتدائی آیات کا ہے جن میں اللہ تعالیٰ

کی طرف سے ناراضگی کا اظہار فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ابھی سے گھبرا کیوں گئے ہیں' ابھی تو بہت کچھ آنے والا ہے۔ فرمایا:

﴿الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ② وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ③﴾

''ال م۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ صرف یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟ اور ہم نے تو ان لوگوں کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں (اور جنہوں نے ایمان کا دعویٰ کیا تھا) پس اللہ ضرور کھول کر رکھ دے گا اُن کو جو صادق الایمان ہیں اور اُن کو بھی جو جھوٹ موٹ کے مدعیٔ ایمان بنے ہوئے ہیں۔''

اگلی آیت میں اہل ایمان کی دلجوئی کا انداز ہے کہ ''کیا وہ لوگ جو بُرے کام کر رہے ہیں (ہمارے اِن بندوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں) سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری پکڑ سے بچ نکلیں گے؟ بہت بُری رائے ہے جو انہوں نے قائم کی ہے''۔ مزید فرمایا کہ ''جو کوئی بھی (یہ سب کچھ جھیل رہا ہے اور) اپنے پروردگار سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو (اس کو مطمئن رہنا چاہیے کہ) اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے''۔ ہمارے یہ نیک بندے جب سختیاں جھیل کر اللہ کے حضور میں حاضر ہوں گے تو اپنے خلوص واخلاص اور احسان کا بدلہ پائیں گے' اُن کو خلعتوں سے نوازا جائے گا۔ آگے پھر ذرا ڈانٹ کا انداز ہے کہ تم یہ مت سمجھنا کہ تم اللہ پر کوئی احسان کر رہے ہو بلکہ ''جو کوئی بھی جہاد کرتا ہے تو جہاد کرتا ہے اپنے لیے''۔ اس کا فائدہ اور نفع اسی کے لیے ہے' اس کی اپنی عاقبت سنورے گی۔ ''یقیناً اللہ تعالیٰ تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے''۔ دیکھئے سارا مضمون کس طرح مربوط ہے اور ترغیب وترہیب دونوں کو اس میں سمو دیا گیا ہے۔ دو آیات ذرا ڈانٹ کے انداز میں آئیں' پھر دو آیات میں دلجوئی کا انداز ہے' پھر ایک آیت میں ذرا جھنجھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد پھر ایک اُمید بھری آیت ہے: ''جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ہم لازماً اُن سے ان کی برائیوں کو دور کر دیں گے اور ان کو ان کے اعمال کا بہت عمدہ بدلہ دیں گے''۔ (آیات ۴ تا ۷)

اس کے بعد خاص طور پر وہ نوجوان جن پر ان کے والدین کی طرف سے دباؤ پڑ رہا تھا' ان کے حوالہ سے ارشاد ہوا: ''ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں وصیت کی ہے حسن سلوک کی۔ لیکن اگر وہ تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کے لیے تمہارے پاس کوئی سند نہیں ہے تو اُن کی بات مت مانو۔ میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے' پھر میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ہم ان کو داخل کریں گے صالحین میں''۔ (آیات ۸'۹) کس پیارے انداز میں نوجوانوں کو کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اس وجہ سے اپنے اہل وعیال' والدین' بھائی بندوں' رشتہ داروں سے کٹ جاؤ اور علیحدہ ہو جاؤ تو ڈرو اور گھبراؤ نہیں' ہم تمہیں ان سے بہتر معیت عطا فرمائیں گے۔

اس کے بعد ایک نہایت اہم آیت آئی ہے۔ جیسے کہ سورۃ الحج کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت ہے اسی طرح کا یہ مقام بھی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ط...... ﴾

''لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اللہ پر' پھر جب ان کو اللہ کے راستہ میں تکلیف دی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھتے ہیں۔ اور (اے نبیؐ) اگر آپ کے ربّ کی جانب سے مدد آ جائے تو یہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو آپ ہی کے ساتھ تھے۔ تو کیا اللہ خوب واقف نہیں ہے اُس سے جو کچھ لوگوں کے سینوں میں ہے؟ اور وہ تو بالکل کھول کر رکھ دے گا کہ کون واقعی صاحبِ ایمان ہے اور کون منافق ہے۔'' (آیات ۱۰۔۱۱)

کچھ بزرگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے چھوٹے بچوں اور نوجوانوں کو بڑے ناصحانہ انداز میں کہتے ہیں کہ کس کے پیچھے لگ گئے ہو' تم ناسمجھ ہو' اپنا کیریئر داؤ پر لگا رہے ہو' اپنے بڑوں کے راستے پر ہی چلو۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اللہ کے ہاں تمہاری پکڑ ہو جائے گی تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں' تمہارے گناہوں کا بوجھ بھی ہم اٹھاتے ہیں اور تمہاری طرف سے جواب بھی ہم دیں گے۔ فرمایا گیا کہ ''ایسے لوگ اپنے بوجھ تو قیامت کے دن لازماً اُٹھائیں گے ہی اُس کے ساتھ مزید اضافی بوجھ بھی انہیں اُٹھانے پڑیں گے۔ اور قیامت کے دن اُن سے لازماً اُن افترا پردازیوں کے متعلق پوچھا جائے گا جو وہ کرتے رہے ہیں''۔ (آیت ۱۳) سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع کی یہ تیرہ آیات میرے علم کی حد تک اس موضوع پر قرآن حکیم کا نقطۂ عروج ہیں۔

اگلے تین رکوعوں میں کچھ انباء الرسل بیان ہوئے ہیں' لیکن ان حضرات کی دعوت کے حوالہ سے صرف وہ پہلو بیان ہوئے ہیں جو اس سورۂ مبارکہ کا اصل مضمون ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر صرف اس حد تک آیا کہ ''ہم نے نوح کو بھیجا اس کی قوم کی طرف تو وہ انہیں ساڑھے نو سو برس تک دعوت دیتا رہا''۔ یعنی اصل میں اشارہ کیا جا رہا ہے کہ مسلمانو تم ابھی سے گھبرا گئے ہو' ہمارے بندے نوحؑ کو یاد کرو جو ساڑھے نو سو برس استہزاو تمسخر برداشت کرتے ہوئے دعوت دیتا رہا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ کیسے کیسے مسائل سے گزرے۔ حضرت ابراہیمؑ کے قول میں ایک بڑی اہم حقیقت بیان فرمائی گئی:

﴿وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا لا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج﴾ (آیت ۲۵)

''اور (ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ بھی) کہا کہ تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بُتوں کو معبود ٹھہرالیا ہے تو یہ تمہارے مابین محبت و مودّت کی وجہ سے ہے۔''

نفسیاتی اعتبار سے یہ بات بڑی اہم ہے۔ بسا اوقات ایک شخص مان لیتا ہے کہ میں جس جماعت یا گروہ سے وابستہ ہوں اس کے نظریات درست نہیں ہیں' لیکن محض دوستیوں اور رشتہ داریوں کی بنا پر ان کے ساتھ منسلک رہتا ہے۔ اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہے۔ پھر فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کر حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دینے کا تذکرہ ہے۔ پھر مدین کی طرف ان کے بھائی حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت اور عاد وثمود' قارون' فرعون اور ہامان کا ذکر ہے۔ اسی سیاق میں وہ بہترین تمثیل بھی آئی ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر لوگ جن کو اپنے پشت پناہ اور مددگار بناتے ہیں ان کا معاملہ اس مکڑی کی مانند ہے جو جالا بُنتی ہے تو اسے بڑا مضبوط گھر سمجھتی

ہے، حالانکہ گھروں میں سب سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ اسی طرح یہ لوگ بھی عقائد کے ایسے تانے بانے بُن لیتے ہیں اور اُنہی کے اندر بیٹھے رہتے ہیں۔

آخری تین رکوعوں میں اہل ایمان کو عملی اعتبار سے ہدایات دی گئی ہیں کہ ایسے حالات میں انہیں کیا کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں پانچویں رکوع کی پہلی آیت (جہاں سے اکیسویں پارے کا آغاز ہو رہا ہے) بہت اہم ہے:

﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾

''(اے نبی) تلاوت کرتے رہو اُس کتاب کی جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز کو قائم رکھو، بلاشبہ نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

ان حالات میں صبر و استقامت اور ثبات کے لیے سب سے اہم چیز اللہ کی یاد ہے۔ اللہ کو یاد رکھو گے تو قدم جمے رہیں گے، کسی مصیبت سے ہراساں نہ ہو گے۔ اللہ کو یاد رکھو گے تو اُسے ہر وقت اپنے ساتھ پاؤ گے۔ آگے فرمایا کہ اہل کتاب سے نہ جھگڑو مگر بہترین طریقے پر، سوائے ان کے جو مخالفت کا ادھار کھائے بیٹھے ہوں اور بات سننے کو تیار ہی نہ ہوں......

اس کے بعد چھٹے رکوع میں ایک نہایت اہم آیت آئی ہے جس میں ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ اس سے قبل سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ النحل میں ہجرت کا ذکر آچکا ہے، لیکن ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے قرآن مجید میں یہ اس اعتبار سے پہلا مقام ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾﴾

''اے میرے بندو جو مجھ پر ایمان لائے ہو، میری زمین بڑی کشادہ ہے، پس میری ہی بندگی کرو۔''

یعنی اگر میری بندگی کرتے ہوئے جینا ممکن نہ رہے تو اس زمین کو چھوڑ دو، اللہ تمہیں اور جگہ مہیا کر دے گا۔

ساتویں رکوع کے آغاز میں وہی مضمون دہرایا گیا ہے کہ مصائب و شدائد برداشت کرنے والوں کے لیے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ تمہارا اصل گھر وہی آخرت کا گھر ہے جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا ٹھکانہ ہے۔ یہاں کی بڑی سے بڑی مشکل بھی آج نہیں تو کل آسان ہو ہی جائے گی۔ آخر میں جو لوگ ان مصائب کا شکار ہیں اور اللہ کے راستے میں مشقتیں اٹھا رہے ہیں اُن کے لیے بہت ہی اُمید افزا بات فرمائی گئی ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۶۹﴾﴾

''وہ لوگ جو ہماری راہ میں جہاد کریں گے ہم لازماً اپنے راستوں کی طرف اُن کی رہنمائی کریں گے۔ اور یقیناً اللہ محسنین کے ساتھ ہے۔''

❁❁❁

قرآن — کتابِ انقلاب

فہمِ قرآن کے لیے بنیادی اصول اور بنیادی ہدایات یا اشارات کے ضمن میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے یہ بات بڑی خوبصورتی سے تفہیم القرآن کے مقدمے میں کہی ہے کہ قرآن محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے کہ آپ کسی ڈرائنگ روم میں یا کتب خانے میں آرام کرسی پر بیٹھ کر اسے پڑھیں اور اس کی ساری باتیں سمجھ جائیں۔ کوئی محقق یا ریسرچ سکالر ڈکشنریوں اور تفسیروں کی مدد سے اسے سمجھنا چاہے تو نہیں سمجھ سکے گا۔ اس لیے کہ یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''......اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے نزاعِ کفر و دین اور معرکۂ اسلام و جاہلیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اس کشمکش کی کسی منزل سے گزرنے کا آپ کو اتفاق ہی نہ ہوا ہو اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ پڑھ کر اس کی ساری حقیقتیں آپ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں! اسے تو پوری طرح آپ اُسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کریں اور جس جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی جائے اُسی طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں......''

قرآن مجید کی بہت سی بڑی اہم حقیقتیں اس کے بغیر منکشف نہیں ہوں گی' اس لیے کہ قرآن ایک ''کتابِ انقلاب'' (Manual of Revolution) ہے۔ اس قرآن نے انسانی جدّ و جُہد کے ذریعے عظیم انقلاب برپا کیا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھی رضی اللہ عنہم ایک حزب اللہ تھے' ایک جماعت اور ایک پارٹی تھے' انہوں نے دعوت اور انقلاب کے تمام مراحل کو طے کیا اور ہر مرحلے پر اس کی مناسبت سے ہدایات نازل ہوئیں۔ ایک مرحلہ وہ بھی تھا کہ حکم دیا جا رہا تھا کہ مار کھاؤ لیکن ہاتھ مت اٹھاؤ۔ ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾۔ پھر ایک مرحلہ وہ بھی آیا کہ حکم دے دیا گیا کہ اب آگے بڑھو اور جواب دو' انہیں قتل کرو۔ سورۃ الانفال میں ارشاد ہوا: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (آیت ۳۹) ''اور ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ کے لیے ہو جائے''۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا: ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ (آیت ۱۹۱) ''اور اُن کو قتل کر دو جہاں کہیں تم ان کو پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے''۔

دونوں مراحل میں یقیناً فرق ہے' بلکہ بظاہر تضاد ہے' لیکن جاننا چاہیے کہ یہ ایک ہی جدّ و جُہد کے دو مختلف مراحل ہیں۔

(ڈاکٹر اسرار احمدؒ' تعارفِ قرآن' ص ۹۷)

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۂ آل عمران (مسلسل)

آیات ۱۷۲ تا ۱۷۵

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ
وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌۚ۝ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ
فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ
یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ
یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝

ترکیب: ’’اَلْقَرْحُ‘‘ پر لام تعریف ہے۔ ’’اَجْرٌ عَظِیْمٌ‘‘ مبتداً مؤخر نکرہ ہے‘ اس کی خبر محذوف ہے اور ’’لِلَّذِیْنَ‘‘ سے ’’وَاتَّقَوْا‘‘ تک قائم مقام خبر مقدم ہے۔ ’’فَزَادَ‘‘ کی ضمیر فاعلی ’’ھُوَ‘‘ ’’قَالَ‘‘ کے مقولہ محذوف ’’قَوْلًا‘‘ کے لیے ہے‘ ’’ھُمْ‘‘ اس کا مفعول ہے اور ’’اِیْمَانًا‘‘ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ’’ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ‘‘ مرکب اشاری اور مبتداً ہے‘ ’’یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَ ہٗ‘‘ اس کی خبر ہے۔ ’’یُخَوِّفُ‘‘ کا مفعول اوّل ’’کُمْ‘‘ محذوف ہے اور ’’اَوْلِیَآءَ ہٗ‘‘ اس کا مفعول ثانی ہے۔

ترجمہ:

اَلَّذِیْنَ : وہ لوگ جنہوں نے	اسْتَجَابُوْا : کہا مانا
لِلّٰهِ : اللہ کا	وَالرَّسُوْلِ : اور رسول ﷺ کا
مِنْۢ بَعْدِ مَآ : اس کے بعد کہ جو	اَصَابَهُمُ : آ پہنچا ان کو

الْقَرْحُ : چرکہ	لِلَّذِيْنَ : ان کے لیے جنہوں نے
اَحْسَنُوْا : درجۂ احسان پر کام کیا	مِنْهُمْ : ان میں سے
وَاتَّقَوْا : اور تقویٰ اختیار کیا	اَجْرٌ عَظِيْمٌ : ایک شاندار بدلہ ہے
اَلَّذِيْنَ : وہ لوگ	قَالَ : کہا
لَهُمُ : جن سے	النَّاسُ : لوگوں نے
اِنَّ : کہ	النَّاسَ : لوگوں نے
قَدْ جَمَعُوْا : جمع کی ہے (قوت)	لَكُمْ : تمہارے لیے
فَاخْشَوْهُمْ : پس تم لوگ ڈرو ان سے	فَزَادَهُمْ : تو اس (بات) نے زیادہ کیا ان کو
اِيْمَانًا : ایمان کے لحاظ سے	وَّقَالُوْا : اور انہوں نے کہا
حَسْبُنَا : ہم کو کافی ہے	اللّٰهُ : اللہ
وَنِعْمَ : اور کتنا اچھا ہے (وہ)	الْوَكِيْلُ : وکیل
فَانْقَلَبُوْا : پھر وہ لوگ پلٹے	بِنِعْمَةٍ : ایک ایسی نعمت کے ساتھ جو
مِّنَ اللّٰهِ : اللہ (کی طرف) سے تھی	وَفَضْلٍ : اور کچھ فضل کے ساتھ
لَّمْ يَمْسَسْهُمْ : چھوا ہی نہیں ان کو	سُوْٓءٌ : کسی برائی نے
وَّاتَّبَعُوْا : اور انہوں نے پیروی کی	رِضْوَانَ اللّٰهِ : اللہ کی خوشنودی کی
وَاللّٰهُ : اور اللہ	ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ : عظیم فضل والا ہے
اِنَّمَا : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ : یہ شیطان
يُخَوِّفُ : خوفزدہ کرتا ہے (تم لوگوں کو)	اَوْلِيَآءَهٗ : اپنے چیلوں سے
فَلَا تَخَافُوْهُمْ : پس تم لوگ مت ڈرو ان سے	وَخَافُوْنِ : اور ڈرو مجھ سے
اِنْ كُنْتُمْ : اگر تم لوگ ہو	مُّؤْمِنِيْنَ : ایمان لانے والے

نوٹ: مسلمانوں نے میدانِ اُحد سے واپس آ کر رات ہنگامی حالت میں گزاری۔ جنگ نے انہیں چُور چُور کر رکھا تھا' اس کے باوجود وہ رات بھر مدینے کی گزرگاہوں پر پہرہ دیتے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی خصوصی حفاظت پر تعینات رہے' کیونکہ انہیں ہر طرف سے خدشات لاحق تھے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ بھی پوری رات جنگ سے پیدا شدہ صورت حال پر غور کرتے رہے۔ انہیں خیال ہوا کہ اگر مشرکین نے اس صورت حال پر غور کیا تو یقیناً وہ راستے سے پلٹ کر مدینہ پر دوبارہ حملہ کریں گے۔ چنانچہ آپؐ نے علی الصبح اعلان فرمایا کہ مکی لشکر کے تعاقب میں چلنا ہے۔ حالانکہ مسلمان زخموں سے چُور اور غم سے نڈھال تھے پھر بھی سب نے بلاتردّد سرِ اطاعت خم کر دیا اور رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ مدینے سے آٹھ میل دور حمراء الاسد کے مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ یہاں پر معبد بن ابی معبد خزاعی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ مشرکوں کو

ابھی اس کی خبر نہیں تھی اس لیے آپؐ نے انہیں ہدایت کی کہ وہ ابوسفیان کے پاس جائیں اور مدینہ پر دوبارہ حملہ کرنے کی حوصلہ شکنی کریں۔

دوسری طرف مشرکین نے مدینہ سے ۳۶ میل دور'روحاء' کے مقام پر جب جنگ کی صورت حال پر غور کیا تو انہیں ندامت ہوئی کہ جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد وہ مسلمانوں کو کیوں چھوڑ آئے۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مدینہ واپس چل کر مسلمانوں کا جڑ سے صفایا کر دیا جائے۔ یہ لوگ روانہ ہونے والے تھے کہ معبد بن ابی معبد خزاعی پہنچ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ مسلمان تمہارے تعاقب میں آ رہے ہیں۔ ان کی باتیں سن کر مکی لشکر کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے مکہ کی طرف واپسی کا سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی وقت ان کے پاس سے قبیلہ عبدالقیس کا ایک قافلہ گزرا۔ ابوسفیان نے انعام واکرام کے وعدہ پر قافلے کے لوگوں سے کہا کہ وہ مسلمانوں کو یہ خبر پہنچا دیں کہ انہوں نے دوبارہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان ان کا تعاقب نہ کریں۔ چنانچہ یہ قافلہ جب حمراء الاسد پہنچا تو انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ لوگ تمہارے خلاف جمع ہیں ان سے ڈرو۔ یہ بات سن کر مسلمانوں کے ایمان میں اضافہ ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ چند روز مکی لشکر کا انتظار کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس آ گئے۔

(الرحیق المختوم' صفحات ۴۶۰ تا ۴۶۳ سے ماخوذ)

آیات ۱۷۶ تا ۱۷۸

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

ح ظ ظ

حَظَّ (س) حَظًّا: کسی چیز میں حصہ دار ہونا' نصیب والا ہونا۔

حَظٌّ (اسم ذات): کسی چیز میں مقررہ حصہ' نصیب۔ آیت زیر مطالعہ۔

م ل و

مَلَا (ن) مَلْوًا: (۱) تیز چلنا' دوڑنا۔ (۲) زمانہ یا مدت کا دراز ہونا۔

مَلِيٌّ (فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت): زندگی کی مدت' ہمیشہ کے لیے۔ ﴿وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝﴾ (مریم) ''اور تو چھوڑ مجھ کو ہمیشہ کے لیے۔''

اَمْلٰی (افعال) اِمْلَاءً: پاؤں کے بندھن کو ڈھیلا کر کے چھوڑ دینا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں آتا ہے: (۱) ڈھیل دینا' مہلت دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔ (۲) درازیٔ عمر کی اُمید دلانا۔ ﴿اَلشَّيْطٰنُ

﴿سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴾ (محمد) ''شیطان نے فریب دیا ان کو اور درازیٔ عمر کی اُمید دلائی انہیں''۔

(۳) عبارت پڑھ کر سنانا یا لکھوانا۔ ﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۵﴾ (الفرقان) ''انہوں نے کہا پہلوں کے قصے ہیں' اس نے تالیف کیا ہے انہیں' پس وہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اس پر صبح وشام۔''

ترکیب: ''لَا یَحْزُنْ'' کا فاعل ''اَلَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ'' ہے۔ ''اَنَّمَا'' دراصل ''اَنَّ مَا'' ہے' جبکہ ''اِنَّمَا'' میں ''مَا'' کافہ ہے (دیکھیں البقرۃ:۱۲' نوٹ ۲)۔ ''لِیَزْدَادُوْا'' دراصل مادہ ''ز ی د'' سے بابِ افتعال کا مضارع منصوب ہے اور قاعدے کے مطابق اس کی تا کو دال میں تبدیل کیا گیا ہے۔ ''اِثْمًا'' تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ:

وَلَا يَحْزُنْكَ : اور غمگین نہ کریں آپ کو

الَّذِيْنَ : وہ لوگ جو

يُسَارِعُوْنَ : باہم سبقت کرتے ہیں

فِي الْكُفْرِ : کفر میں

اِنَّهُمْ : یقیناً وہ لوگ

لَنْ يَّضُرُّوا : ہرگز نقصان نہیں کریں گے

اللّٰهَ : اللہ کا

شَيْئًا : ذرہ برابر

يُرِيْدُ : ارادہ کرتا ہے

اللّٰهُ : اللہ

اَلَّا يَجْعَلَ : کہ وہ نہ بنائے

لَهُمْ : ان کے لیے

حَظًّا : کوئی حصہ

فِي الْاٰخِرَةِ : آخرت میں

وَلَهُمْ : اور ان کے لیے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ : ایک عظیم عذاب ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ : بے شک جنہوں نے

اشْتَرَوُا : خریدا

الْكُفْرَ : کفر کو

بِالْاِيْمَانِ : ایمان کے بدلے

لَنْ يَّضُرُّوا : وہ لوگ ہرگز نقصان نہ کریں گے

اللّٰهَ : اللہ کا

شَيْئًا : کچھ بھی

وَلَهُمْ : اور ان کے لیے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ : ایک دردناک عذاب ہے

وَلَا يَحْسَبَنَّ : اور ہرگز گمان نہ کریں

الَّذِيْنَ : وہ لوگ جنہوں نے

كَفَرُوْٓا : کفر کیا

اَنَّمَا : کہ جو

نُمْلِيْ : ہم ڈھیل دیتے ہیں

لَهُمْ : ان کو

خَيْرٌ : (وہ) بہتر ہے

لِّاَنْفُسِهِمْ : ان کی جانوں کے لیے

اِنَّمَا : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ

نُمْلِيْ : ہم ڈھیل دیتے ہیں

لَهُمْ : ان کو

لِيَزْدَادُوْٓا : تاکہ وہ زیادہ ہوں — اِثْمًا : بلحاظ گناہ کے
وَلَهُمْ : اوران کے لیے — عَذَابٌ مُّهِيْنٌ : ایک رسواکن عذاب ہے

آیات ۱۷۹۔۱۸۰

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

م ی ز

مَازَ (ض) مَيْزًا : کسی کو کسی سے الگ کرنا' نمایاں کرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

تَمَيَّزَ (تفعّل) تَمَيُّزًا : پھٹ کر الگ ہونا' پھٹ پڑنا۔ ﴿تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ﴾ (الملک:۸) ''قریب ہے کہ وہ پھٹ پڑے شدید غصے سے۔''

اِمْتَازَ (افتعال) اِمْتِيَازًا : کسی سے الگ ہونا' نمایاں ہونا۔

اِمْتَزْ (فعل امر) : تو الگ ہو۔ ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝﴾ (یٰسٓ) ''تم لوگ الگ ہو آج کے دن اے جرم کرنے والو۔''

ط ل ع

طَلَعَ (ن) طُلُوْعًا : بلند ہو کر سامنے آنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں آتا ہے۔ مثلاً: (۱) چڑھنا' (۲) نکلنا۔ ﴿وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ﴾ (الکہف:۱۷) ''اور تم دیکھتے ہو سورج کو جب وہ نکلتا ہے۔''

طَلْعٌ (اسم ذات): پھل نکلنے کا خوشہ' کونپل۔ ﴿وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝﴾ (الشعراء) ''اور کھیتیوں میں اور کھجوروں میں جن کی کونپل ملائم ہے۔''

مَطْلَعٌ اور مَطْلِعٌ (اسم الظرف) : نکلنے کی جگہ' وقت۔ ﴿حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝﴾ (القدر) ''فجر کے نکلنے کے وقت تک''۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ﴾ (الکہف:۹۰) ''یہاں تک کہ جب وہ پہنچا سورج کے نکلنے کی جگہ پر۔''

اَطْلَعَ (افعال) اِطْلَاعًا: بلند کر کے سامنے لانا یعنی کسی کو کسی بات سے آگاہ کرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

اِطَّلَعَ (افتعال) اِطِّلَاعًا : (۱) چڑھنا۔ (۲) کسی چیز پر چڑھ کر جھانکنا۔ (۳) آگاہ ہونا۔ ﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝﴾ (الھمزۃ) ''اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جو چڑھتی ہے دلوں پر''۔

﴿فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوْسٰی﴾ (القصص:۳۸) ''پھر تُو بنا میرے لیے ایک بلند مکان شاید کہ میں جھانکوں موسیٰ کے الٰہ کی طرف''۔ ﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ﴾ (المآئدۃ:۱۳) ''اور تم ہمیشہ آگاہ رہو گے کسی خیانت پر ان کی طرف سے۔''

مُطَّلِعٌ (اسم الفاعل) : جھانکنے والا' آگاہ ہونے والا۔ ﴿هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ﴾ (الصّٰفّٰت) ''کیا تم لوگ جھانکنے والے ہو؟''

ج ب ی

جَبٰی (ض) جِبَايَةً: چُن کر اکٹھا کرنا' جیسے پھل یا چندہ وغیرہ۔ ﴿یُّجْبٰۤی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ کُلِّ شَیْءٍ﴾ (القصص:۵۷) ''اکٹھا کیے جاتے ہیں اس کی طرف ہر چیز کے پھل۔''

جِبَايَةٌ ج جَوَابٍ (اسم ذات): پانی اکٹھا کرنے کا حوض۔ ﴿وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ﴾ (سبا:۱۳) ''اور لگن حوضوں کی مانند۔''

اِجْتَبٰی (افتعال) اِجْتِبَاءً: (۱) اہتمام سے چُن لینا' منتخب کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔ (۲) کسی کو نوازنا۔ ﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدٰی﴾ (طٰہٰ) ''پھر نوازا اُن کو ان کے رب نے' تو اس نے توبہ قبول کی ان کی اور ہدایت دی''۔ (۳) کوئی مضمون تصنیف کرنا یعنی الفاظ اکٹھا کرنا۔ ﴿وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا لَوْ لَا اجْتَبَیْتَهَا﴾ (الاعراف:۲۰۳) ''اور جب کبھی آپ نہیں لاتے کوئی آیت تو وہ لوگ کہتے ہیں کیوں نہیں آپ نے تصنیف کیا اس کو۔''

ب خ ل

بَخِلَ (س) بَخَلًا : جائز ضرورت پر خرچ نہ کرنا' کنجوسی کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

بُخْلٌ (اسم ذات) : کنجوسی۔ ﴿اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ (النسآء:۳۷) ''وہ لوگ جو جائز خرچ نہیں کرتے اور ترغیب دیتے ہیں لوگوں کو کنجوسی کی۔''

ترکیب: ''لَا یَحْسَبَنَّ'' کا فاعل ''اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ'' ہے۔ ''حَسِبَ'' کے دو مفعول آتے ہیں۔ یہاں ''لَا یَحْسَبَنَّ'' کا مفعول اوّل ''بُخْلًا'' محذوف ہے اور ''خَیْرًا'' اس کا مفعول ثانی ہے۔ اس کے ساتھ ''هُوَ'' کی ضمیر ''بُخْلًا'' کے لیے ہے۔

ترجمہ:

مَا کَانَ : نہیں ہے	اللّٰهُ : اللہ
لِیَذَرَ : کہ وہ چھوڑ دے	الْمُؤْمِنِیْنَ : مومنوں کو
عَلٰی مَآ : اس پر	اَنْتُمْ : تم لوگ ہو
عَلَیْهِ : جس پر	حَتّٰی : یہاں تک کہ
یَمِیْزَ : وہ نمایاں کر دے	الْخَبِیْثَ : ناپاک کو

مِنَ الطَّيِّبِ :پاکیزہ سے
وَمَا كَانَ :اور نہیں ہے
اللّٰهُ :اللہ
لِيُطْلِعَكُمْ :کہ وہ آگاہ کرے تم لوگوں کو
عَلَى الْغَيْبِ :غیب پر
وَلٰكِنَّ :اور لیکن
اللّٰهَ :اللہ
يَجْتَبِىْ :منتخب کرتا ہے
مِنْ رُّسُلِهٖ :اپنے رسولوں میں سے
مَنْ :جس کو
يَّشَآءُ :وہ چاہتا ہے
فَاٰمِنُوْا :پس تم لوگ ایمان لاؤ
بِاللّٰهِ :اللہ پر
وَرُسُلِهٖ :اور اس کے رسولوں پر
وَاِنْ تُؤْمِنُوْا :اور اگر تم لوگ ایمان لاؤ
وَتَتَّقُوْا :اور تقویٰ اختیار کرو
فَلَكُمْ :تو تمہارے لیے
اَجْرٌ عَظِيْمٌ :ایک شاندار بدلہ ہے
وَلَا يَحْسَبَنَّ :اور ہرگز گمان نہ کریں
الَّذِيْنَ :وہ لوگ جو
يَبْخَلُوْنَ :کنجوسی کرتے ہیں
بِمَآ :اس میں جو
اٰتٰىهُمُ :دیا ان کو
اللّٰهُ :اللہ نے
مِنْ فَضْلِهٖ :اپنے فضل سے
هُوَ :(کہ) یہ
خَيْرًا :بہتر ہے
لَّهُمْ :ان کے لیے
بَلْ هُوَ :بلکہ یہ
شَرٌّ :نقصان دہ ہے
لَّهُمْ :ان کے لیے
سَيُطَوَّقُوْنَ :عنقریب وہ طوق پہنائے جائیں گے
مَا :(اس کا) جو
بَخِلُوْا :انہوں نے کنجوسی کی
بِهٖ :جس میں
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ :قیامت کے دن
وَلِلّٰهِ :اور اللہ کے لیے ہی ہے
مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : زمین اور آسمانوں کا ترکہ
وَاللّٰهُ :اور اللہ
بِمَا :اس سے جو
تَعْمَلُوْنَ :تم لوگ کرتے ہو
خَبِيْرٌ :باخبر ہے

نوٹ: اللہ تعالیٰ اس صورت حال کو زیادہ عرصہ برقرار نہیں رہنے دیتا کہ مسلمانوں کی جماعت میں مؤمن اور منافق خلط ملط رہیں۔ لیکن ان کی تمیز نمایاں کرنے کے لیے وہ یہ طریقہ اختیار نہیں کرتا کہ غیب سے مؤمنوں کو منافقوں کے نام بتا دے' کیونکہ اس طرح منافقوں پر حجت قائم نہیں ہوگی اور ان کا دعویٰ برقرار رہے گا۔ اس لیے اللہ کے حکم سے ایسی آزمائشیں پیش آتی رہتی ہیں جن سے ایمان کی قلبی کیفیت عمل میں نمایاں ہو جاتی ہے۔

آیات ۱۸۱ تا ۱۸۴

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ
الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ
لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا
بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ
قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ
بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝

ز ب ر

زَبُرَ (ک) زَبَارَةً : بڑے جسم والا ہونا' موٹا ہونا' مضبوط ہونا۔

زُبْرَةٌ ج زُبَرٌ : لوہے کا بڑا ٹکڑا' لوہے کی سِل۔ ﴿اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ﴾ (الکھف:۹۶) ''تم لوگ لاؤ میرے پاس لوہے کی سِلیں۔''

زَبُوْرٌ ج زُبُرٌ: (۱) موٹے حروف میں لکھی ہوئی عبارت' کتابچہ' صحیفہ (۲) کسی چیز کا ٹکڑا۔ ﴿وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝﴾ (النساء) ''اور ہم نے دیا داؤد کو ایک صحیفہ''۔ ﴿فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ﴾ (المؤمنون:۵۳) ''تو ان لوگوں نے بانٹا اپنے کام کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہوئے۔''

ترکیب: ''سَنَكْتُبُ'' کی ضمیر فاعلی ''اَللّٰہُ'' کے لیے ہے۔ ''سَنَكْتُبُ'' پر عطف ہونے اور اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے ''قَتْلَهُمُ'' حالت نصب میں ہے اور مصدر ''قَتْلَ'' نے فعل کا کام کیا ہے۔ ''الْاَنْۢبِيَآءَ'' اس کا مفعول ہے۔ ''وَنَقُوْلُ'' کی ضمیر فاعلی بھی ''اَللّٰہُ'' کے لیے ہے۔ ''قَدَّمَتْ'' کا فاعل ''اَيْدِيْكُمْ'' ہے اور اس کی رفعی حالت ہے۔ ''تَاْكُلُهُ'' کی ضمیر مفعولی ''بِقُرْبَانٍ'' کے لیے ہے اور ''النَّارُ'' اس کا فاعل ہے۔

ترجمہ:

لَقَدْ سَمِعَ : بے شک سن لیا ہے	اللّٰهُ : اللہ نے
قَوْلَ الَّذِيْنَ : ان لوگوں کی بات جنہوں نے	قَالُوْٓا : کہا
اِنَّ : کہ	اللّٰهَ : اللہ
فَقِيْرٌ : فقیر ہے	وَّنَحْنُ : اور ہم
اَغْنِيَآءُ : مالدار ہیں	سَنَكْتُبُ : ہم لکھ لیں گے
مَا : اس کو جو	قَالُوْا : انہوں نے کہا
وَقَتْلَهُمُ : اور (لکھیں گے) ان کا قتل کرنا	الْاَنْۢبِيَآءَ : نبیوں کو

بِغَيْرِ حَقٍّ: کسی حق کے بغیر
وَّنَقُوْلُ :اور ہم کہیں گے
ذُوْقُوْا :تم لوگ چکھو
عَذَابَ الْحَرِيْقِ: بھڑکائی گئی آگ کا عذاب
ذٰلِكَ : یہ
بِمَا :اس سبب سے جو
قَدَّمَتْ : آگے بھیجا
اَيْدِيْكُمْ :تمہارے ہاتھوں نے
وَاَنَّ :اور یہ کہ
اللّٰهَ :اللہ
لَيْسَ :نہیں ہے
بِظَلَّامٍ :ذرّہ برابر بھی ظلم کرنے والا
لِّلْعَبِيْدِ: بندوں پر
اَلَّذِيْنَ : جنہوں نے
قَالُوْٓا : کہا
اِنَّ اللّٰهَ : کہ اللہ نے
عَهِدَ اِلَيْنَآ : ہم سے عہد لیا
اَلَّا نُؤْمِنَ : کہ ہم بات نہیں مانیں گے
لِرَسُوْلٍ : کسی رسول کی
حَتّٰى : یہاں تک کہ
يَاْتِيَنَا :وہ لائے ہمارے پاس
بِقُرْبَانٍ :ایک ایسی قربانی
تَاْكُلُهُ : کھاتی ہے جس کو
النَّارُ : آگ
قُلْ : آپ کہہ دیجیے
قَدْ جَاۗءَكُمْ : آچکے ہیں تمہارے پاس
رُسُلٌ : کچھ رسول
مِّنْ قَبْلِيْ :مجھ سے پہلے
بِالْبَيِّنٰتِ :واضح (نشانیوں) کے ساتھ
وَبِالَّذِيْ :اور اس کے ساتھ جو
قُلْتُمْ :تم لوگوں نے کہا
فَلِمَ :تو کیوں
قَتَلْتُمُوْهُمْ :تم لوگوں نے قتل کیا انہیں
اِنْ كُنْتُمْ :اگر تم لوگ ہو
صٰدِقِيْنَ :سچ کہنے والے
فَاِنْ :پھر اگر
كَذَّبُوْكَ :انہوں نے جھٹلایا آپ کو
فَقَدْ كُذِّبَ :تو جھٹلائے جا چکے ہیں
رُسُلٌ :بہتیرے رسول
مِّنْ قَبْلِكَ :آپ سے پہلے
جَاۗءُوْ :وہ لوگ آئے
بِالْبَيِّنٰتِ :واضح (نشانیوں) کے ساتھ
وَالزُّبُرِ :اور صحیفوں کے ساتھ
وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ :اور روشنی دینے والی کتاب کے ساتھ

نوٹ ۱: جب سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۴۵ نازل ہوئی کہ کون ہے جو اللہ کو قرضہ دے تو یہود اپنی مجالس میں مذاق کے طور پر کہتے تھے کہ آج کل اللہ تعالیٰ محتاج ہو گیا ہے' اپنے غلاموں سے قرضہ مانگ رہا ہے (نعوذ باللہ)' تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ان کی یہ بات ان کے قتلِ انبیاء کے جرم کے ساتھ لکھی جائے گی۔

سوال یہ ہے کہ یہ بات کہنے والے مدینہ کے یہودی تھے جبکہ نبیوں کو قتل کرنے والے یہودی ان سے بہت پہلے گزر چکے تھے' پھر ان کے جرم کو ان کی طرف کیسے منسوب کیا گیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودِ مدینہ اپنے

سابق یہودیوں کے اس فعل کو درست قرار دیتے تھے اور اس پر خوش تھے اس لیے انہیں بھی قاتلوں کے ساتھ شمار کیا گیا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب بھی زمین پر کوئی گناہ کیا جاتا ہے' تو جو شخص وہاں موجود ہو مگر اس گناہ کی مخالفت کرے اور اس کو برا سمجھے' تو وہ ایسا ہے گویا وہاں موجود نہیں' یعنی وہ ان کے گناہ کا شریک نہیں اور جو شخص اگرچہ وہاں موجود نہیں مگر ان کے اس فعل سے راضی ہے' وہ باوجود غائب ہونے کے ان کا شریکِ گناہ سمجھا جائے گا۔ (معارف القرآن)

نوٹ ۲: موجودہ دور میں ہمارے لیے اس میں مذکورہ بالا راہنمائی کے ساتھ ایک اور راہنمائی بھی ہے کہ کبھی مذاق میں بھی کوئی غلط بات نہیں کہنی چاہیے۔ کوئی پتہ نہیں کون سی بات لکھ لی جائے اور گناہ لازم ہو جائے۔

نوٹ ۳: کسی بات کی نفی کو قطعی اور حتمی قرار دینے کے لیے کبھی لائے نفی جنس استعمال کرتے ہیں اور کبھی منفی جملے میں متعلقہ اسم المبالغہ لا کر یہ مفہوم ادا کرتے ہیں۔ جیسے آیت ۱۸۲ میں ''ظَلَّامٌ'' کا لفظ آیا ہے۔ یہ ''فَعَّالٌ'' کا وزن ہے اور اس کا مطلب ہے بار بار اور کثرت سے ظلم کرنا۔ جب اس کی نفی کی جائے گی تو ظلم کرنے کی قطعی نفی ہو جائے گی۔ اس مفہوم کو ترجمہ میں ''ذرہ برابر بھی'' سے ظاہر کیا گیا ہے۔

❁❁❁

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

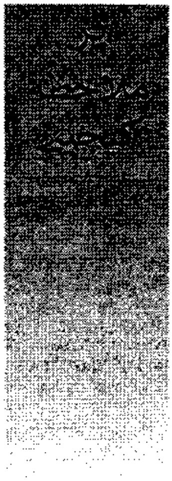

☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
☆ اردو اور انگریزی کتابیں
☆ آڈیو/ویڈیو کیسٹس/سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

Visit us at www.tanzeem.org

انسانی زندگی کی قدر و قیمت

مدرس: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدٍ ؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ آخٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقُتِلَ اَحَدُهُمَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتَ الْآخَرُ بَعْدَهٗ بِجُمُعَةٍ اَوْ نَحْوِهَا فَصَلُّوْا عَلَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ((**مَا قُلْتُمْ؟**)) قَالُوْا دَعَوْنَا اللّٰهَ اَنْ يَّغْفِرَلَهٗ وَيَرْحَمَهٗ وَيُلْحِقَهٗ بِصَاحِبِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((**فَاَيْنَ صَلَاتُهٗ وَعَمَلُهٗ بَعْدَ عَمَلِهٖ؟**)) اَوْ قَالَ ((**صِيَامُهٗ بَعْدَ صِيَامِهٖ؟ لَمَا بَيْنَهُمَا اَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ!**))

(رواہ احمد وابن ماجہ)

''حضرت عبید بن خالدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو شخصوں کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی (یعنی اس وقت کے دستور کے مطابق ان کو باہم بھائی بھائی بنایا) پھر یہ ہوا کہ اُن میں سے ایک صاحب (قریبی زمانہ میں ہی) جہاد میں شہید ہو گئے' پھر ایک ہی ہفتہ بعد یا اس کے قریب دوسرے صاحب کا بھی انتقال ہو گیا (یعنی ان کا انتقال کسی بیماری سے گھر پر ہی ہوا) تو صحابہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھنے والے ان اصحاب سے دریافت کیا کہ آپ لوگوں نے (نماز جنازہ میں) کیا کہا؟ (یعنی مرنے والے بھائی کے حق میں تم نے اللہ سے کیا دعا کی؟) انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اس کے لیے یہ دعا کی کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے' اس پر رحمت فرمائے اور (ان کے جو ساتھی شہید ہو کر اللہ کے قرب و رضا کا وہ مقام حاصل کر چکے ہیں جو شہیدوں کو حاصل ہوتا ہے' اللہ ان کو بھی اپنے فضل و کرم سے اسی مقام پر پہنچا کے) اپنے اس بھائی اور ساتھی کے ساتھ کر دے' (تا کہ جنت میں اُسی طرح ساتھ رہیں جس طرح کہ یہاں رہتے تھے)۔ یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس کی وہ نمازیں کہاں گئیں جو اُس شہید ہونے والے بھائی کی نمازوں کے بعد (یعنی شہادت کی وجہ سے ان کی نمازوں کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد) انہوں نے پڑھیں' اور دوسرے وہ اعمالِ خیر کہاں گئے جو اس شہید کے اعمال کے بعد انہوں نے کیے' یا آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ اس کے وہ روزے کہاں گئے جو اس بھائی کے روزوں کے بعد انہوں نے رکھے؟ (راوی کو شک ہے کہ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عام اعمال کا ذکر کیا تھا' یا روزوں کا ذکر فرمایا تھا)۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کے مقامات میں تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہے جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے!''

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں دو آدمیوں کے درمیان اخوّت کا رشتہ قائم فرمایا۔ اُن میں سے ایک

نے اللہ کی راہ میں شہادت پائی اور دوسرا اس کے آٹھ دس دن بعد فوت ہوگیا۔ پس جب اصحابِ رسولؐ نے اُس کی نمازِ جنازہ پڑھ لی تو آپؐ نے حاضرین سے پوچھا: تم نے مرنے والے کے حق میں کیا دعا کی؟ لوگوں نے جواب دیا: ہم نے اس کے حق میں پروردگار سے دعا کی کہ وہ اسے بخش دے' اس پر رحم کرے اور اس کے درجات کو بلند کر کے اُسے اس کے شہید بھائی کے مقام تک پہنچا دے۔ اس پر آپؐ نے حاضرین کی بات کی اصلاح کرتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ اس شخص کا مقام تو شہید بھائی کے مقام سے بہت بلند ہے' کیونکہ یہ شخص شہید بھائی کے بعد کچھ دن زندہ رہا اور ان دنوں میں اس نے نمازیں پڑھیں' اچھے عمل کیے اور روزے رکھے۔ گویا اس کے اِن چند دنوں کی نیکیاں وہ ہیں جو اُس کے شہید بھائی کو نصیب نہیں ہوئیں' کیونکہ وفات کے بعد تو انسان کوئی عمل نہیں کر سکتا اور اس کا نامۂ اعمال بند ہو جاتا ہے۔ شہید بھائی کا نامۂ اعمال دوسرے بھائی سے چند روز پہلے بند ہو گیا جبکہ اس کے بھائی کو کچھ دن مزید مل گئے جس میں اُس نے نیک عمل کیے اور وہ نیکیوں میں اپنے شہید بھائی سے آگے نکل گیا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ شہید کا مقام تو بہت بلند ہوتا ہے' اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس شہید کا مقام بہت اونچا سمجھا اور دوسرے بھائی کے حق میں اس کے مقام تک پہنچنے کی دعا کی۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ اس دوسرے بھائی کی تمنا شہادت پانے کی تھی لیکن اس کو موقع نہ ملا۔ اگر اس کو موقع ملتا تو وہ بھی ضرور فی سبیل اللہ جہاد میں نکلتا۔ چنانچہ حسنِ نیت کی وجہ سے اسے شہادت نہ پانے کے باوجود شہادت کا درجہ نصیب ہوا اور وہ شہید بھائی کے برابر ہو گیا اور جو چند روز اُسے اضافی ملے اور اس نے ان دنوں میں نیکیاں کیں تو اس کا درجہ شہید بھائی سے بڑھ گیا' بلکہ رسول اللہ ﷺ کی خبر کے مطابق وہ شہید بھائی سے اتنا اونچا چلا گیا کہ جتنا آسمان زمین سے بلند ہے۔

انسان کی زندگی مہلتِ عمل کا دورانیہ ہے اور دنیا دار العمل ہے۔ انسان اپنی زندگی میں جو بھی عمل کرے گا اس کا بدلہ اسے اگلی زندگی میں ضرور ملے گا۔ اگلا جہان دار الآخرت ہے۔ دنیا کی زندگی میں اچھے اعمال کا بدلہ اچھائی میں اور برے اعمال کا بدلہ برائی میں نہیں ملتا۔ وجہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ دنیا جزا و سزا کی جگہ ہے ہی نہیں' یہاں تو انسان آزمائش میں ہے۔ اس کو کھلی چھٹی ہے کہ چاہے تو نیک عمل کرے اور چاہے برائیاں کمائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملك:٢)

''اُس نے موت اور زندگی کو تخلیق کیا تاکہ (انسان کو) آزمائے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔''

دنیا کی زندگی میں طرح طرح کی دلکشیاں ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ﴾ (آل عمران:١٤)

''لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں — جیسے عورتیں' بیٹے' جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کے خزانے' نشان لگے ہوئے گھوڑے' مویشی اور کھیتی۔''

گویا انسان کا امتحان ہے کہ وہ دُنیاوی زیب و زینت کی محبت میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے یا دامن بچا کر چلتا ہے کہ دُنیا کی پُرکشش چیزیں اسے مقصدِ زندگی سے غافل نہ کر سکیں۔ گویا ؎

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اِدھر آتا ہے دیکھیں یا اُدھر پروانہ جاتا ہے!

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو زندگی کے شب و روز کی قدر و قیمت سے واقف ہیں اور وہ مہلتِ عمر سے بھر پور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ فوز و فلاح پائیں گے اور آخرت کے انعامات سے سرفراز کیے جائیں گے۔ اور جو لوگ اس دنیا کی زندگی میں نفسانی خواہشات اور حرص و ہوا کا شکار ہو گئے' حلال و حرام کی تمیز نہ کی' حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پامال کیا' موت کے وقت سوائے حسرت و افسوس کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا اور وہ اپنی بداعمالیوں کی سزا پا کر رہیں گے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ آدمیوں میں کون اچھا ہے؟ (یعنی کس قسم کا آدمی آخرت میں زیادہ کامیاب اور فلاح یاب رہے گا) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ جس کی عمر لمبی ہوئی اور اس کے اعمال اچھے ہوئے''۔ پھر آپؐ نے عرض کیا کہ آدمیوں میں زیادہ بُرا (اور آخرت میں زیادہ خسارے میں رہنے والا) کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس کی عمر لمبی ہوئی اور اس کے اعمال بُرے ہوئے''۔ (مسند احمد) اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کے شب و روز بہت اہم ہیں۔ یہ انسان کو جنت کی طرف بھی لے جا سکتے ہیں اور دوزخ کی طرف بھی۔ ؎

قُلزمِ ہستی سے تُو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

صبح طلوع ہوتی ہے تو انسان کاروبارِ زندگی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ ایک شخص دنیا کے کام خالقِ کائنات کی رضا کے مطابق کرتا ہے' کسی کے حقوق تلف نہیں کرتا بلکہ دین کے تقاضوں کو ہر وقت ملحوظ خاطر رکھتا ہے' دین کی سربلندی کے لیے جدّوجہد کرتا ہے اور اللہ کے ذکر کے ساتھ اپنی زبان کو تر رکھتا ہے' اس طرح اس کا دن گزر جاتا ہے۔ رات ہوتی ہے تو وہ اللہ کا ذکر کرتے کرتے نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے' رات کو اگر کبھی جاگ جائے تو تسبیح' تکبیر اور تہلیل اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں' صبح اُٹھ کر پھر اللہ کا نام لیتا ہے اور کاروبارِ زندگی میں لگ جاتا ہے' تو ایسا شخص کامیاب و کامران ہے' کیونکہ یہ اللہ کی نافرمانی والے کاموں سے بچتا ہے۔ ایسے شخص کی زندگی غنیمت ہے' جو جتنی لمبی عمر پائے گا اس کے نامۂ اعمال میں ثواب بڑھتا چلا جائے گا۔ اس کے برعکس جو شخص زندگی معصیت میں گزارتا ہے' لمبی عمر اُس کے نامۂ اعمال میں بُرائیوں میں اضافے کا سبب بنے گی اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ایسا شخص بدترین لوگوں میں سے ہے۔ گویا اللہ کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنے والے اللہ کے ہاں انعام پا کر بلند سے بلند مرتبے پر فائز ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے وقت کی اہمیت کو سمجھا' زندگی کو لہو و لعب میں نہیں گزارا بلکہ شہادت کی تمنا لیے ہوئے' نماز و روزہ اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے ہوئے زندگی گزار دی تو ایسے لوگ بلاشبہ اگر لمبی عمر پائیں گے تو بڑے بڑے صلحاء سے اجر و ثواب میں

آ گے نکل جائیں گے۔

زندگی میں اسلام اور ایمان کے ساتھ لمبی عمر گراں قدر تحفہ ہے' اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر ادا کیا جائے کم ہے' کیونکہ فرائض دینی کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اگر مؤمن بندہ سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر' لا الٰہ الا اللہ زبان پر جاری رکھے تو عظیم ثواب پاتا ہے۔ ان کلمات کی فضیلت میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''دو کلمے زبان پر ہلکے پھلکے' میزانِ عمل میں بڑے بھاری اور خداوند مہربان کو بہت پیارے ہیں اور وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔'' (بخاری)

زندگی عطیۂ خداوندی ہے۔ ہر شخص کی زندگی ایک دن ختم ہو جاتی ہے۔ موت سے پہلے پہلے اسے نیک عمل کرنے کی مہلت ہے اور یہ مہلت ہر روز کم ہوتی جا رہی ہے ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی!

زندگی کی جو گھڑیاں گزر گئیں ہیں وہ واپس نہیں آ سکتیں۔ عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ وقت سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے' ورنہ پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور پھر پچھتاوا عذاب کی شکل اختیار کر لے گا۔

کہتے ہیں کہ ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ وفات کے بعد وہ اپنے ایک عقیدت مند کو خواب میں ملے۔ اس شخص نے انہیں سلام کیا مگر انہوں نے جواب نہ دیا' پھر سلام کیا مگر انہوں نے جواب نہ دیا۔ اس شخص نے بڑے ادب سے پوچھا: حضرت آپ سلام کا جواب نہیں دے رہے؟ اس پر انہوں نے کہا: ''سلام کا جواب دینا تو نیک عمل ہے' مگر ہم جو فوت ہو چکے ہیں اب کوئی نیک عمل نہیں کر سکتے' ہماری مہلتِ عمل ختم ہو چکی ہے۔ یہ تو آپ خوش نصیب ہیں جن کے پاس نیک کام کرنے کے لیے زندگی کے ایام باقی ہیں''۔ یہ بات تو خواب کی ہے اور خواب کی بنیاد پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ تاہم اس خواب سے اس مسلمہ حقیقت کی تائید ہوتی ہے کہ دنیا دار العمل ہے اور یہاں سے کوچ کرنے کے بعد دار الجزاء ہے' وہاں کسی نیک یا بد عمل کرنے کا موقع نہیں۔ مسلمان خوش قسمت ہے کہ اسے اسلام جیسا متوازن اور سہل دین ملا۔ یہ اگر دیانت داری کے ساتھ معاشی جدوجہد کرتا ہے تو بھی ثواب پائے گا۔ رزق حلال کما کر اس میں سے فی سبیل اللہ خرچ تو باعث ثواب ہے ہی' جو رقم وہ اپنے اہل و عیال کی جائز ضروریات پر خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ و خیرات شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا اس دنیا کی زندگی کو غنیمت جان کر یہاں کے شام و سحر سے بھرپور فائدہ اُٹھانا ہی دانش مندی ہے۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ — ایک عظیم داعیٔ قرآن

نثار احمد ملک' چکوال ☆

ڈاکٹر اسرار احمدؒ بلاشبہ بیسویں صدی کے عظیم داعیٔ قرآن تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی دینی خدمات کے کئی پہلو ہیں' ان کی فکر کی بے شمار جہتیں ہیں جو وقت کی ہر کروٹ کے ساتھ کھلتی چلی جائیں گی۔ ان کی فکری تشکیل میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے تصوراتِ دین نے بنیادی کردار ادا کیا لیکن انہوں نے بلاشبہ اس فکر کے کئی خلا پُر کیے اور بہت سے نئے گوشے آشکار کیے۔ ان کی تمام سعی و جُہد' حرکت و عمل اور تنظیم و تحریک کا مرکز و محور قرآن اور سُنّتِ رسول ﷺ ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تفہیم کے لیے ان کی زبان کی گرہیں کھول دی تھیں' گویا قرآن کو ان کی زبان پر آسان کر دیا تھا۔ ان کے دروسِ قرآن کا غلغلہ نصف صدی سے زائد تک پوری دنیا میں برپا رہا اور بلاشبہ قرآن حکیم کے بیان میں ان کا کوئی ثانی اور مدمقابل نہ تھا۔ ان کی فکر کا منبع و ماخذ قرآن تھا۔

ڈاکٹر صاحبؒ کا ایک مستقل ''تھیسس'' یہ تھا کہ کوئی بھی اسلامی فکری تحریک اس وقت تک کوئی اجتماعی اور مؤثر تبدیلی نہیں لا سکتی جب تک اس تحریک کے ارکان ''ایمانِ حقیقی'' کی نعمت سے سرفراز نہ ہوں' اپنی انفرادی زندگیوں میں اسلام کے احکام پر مکمل طور پر عمل پیرا نہ ہوں اور اپنی معاشرت و معیشت کو اسلامی خطوط میں نہ ڈھال چکے ہوں۔ اس ''تھیسس'' کا اگلا جزو یہ ہے کہ ''ایمانِ حقیقی'' کے حصول کے ذرائع تو بہت ہیں' یہ نعمت عملِ صالح سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے اور صالحین کی صحبت سے بھی' لیکن ایمانِ حقیقی کے حصول کا مؤثر ترین ذریعہ قرآن حکیم ہے۔ یہ ''صالحین'' بھی قرآن ہی پیدا کرے گا۔ لہٰذا قرآن کی طرف حقیقی رجوع کے بغیر صالحین کی ایسی جماعت پیدا نہیں ہو سکتی جو اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہو۔

ڈاکٹر صاحبؒ کو اس بات کا بھی شعوری ادراک تھا کہ اُمتِ مسلمہ کے زوال کی اصل وجہ قرآن سے مہجوری ہے۔ جب اُمت نے قرآن کے پیغام کو فراموش کر دیا تو وہ فقہی' مسلکی' کلامی اور فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئی۔ یوں اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ قرآن سے اُمت کا تعلق محض ایک مقدس کتاب سمجھنے' حصولِ ثواب اور حصولِ برکت تک محدود ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحبؒ نے عظمتِ قرآن کو اُجاگر کیا اور اس بات کو باور کرایا کہ قرآن حکیم کی صورت میں اُمت مسلمہ کے پاس کتنی عظیم نعمت موجود ہے۔ یہ حضور ﷺ کا زندہ و جاوید معجزہ ہے۔ پھر انہوں نے تفصیل سے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' کے عنوان سے تقاریر کیں' جو بعد میں باقاعدہ کتابی شکل میں وسیع پیمانے پر شائع کی گئیں۔ اس اشاعتِ عام کا مقصد اُمت کو قرآن حکیم کی طرف

☆ سابق نائب مدیر ہفت روزہ ندائے خلافت

ہمہ پہلو راغب کرنا تھا تا کہ وہ قرآن حکیم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ تفہیم کی طرف متوجہ ہو۔ یہ بلاشبہ ایک لاجواب تحریر ہے۔اس کتابچے کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ چنانچہ اس کا عربی ترجمہ ''ماذا یجب علی المسلمین تجاہ القرآن'' کے نام سے محترم ڈاکٹر صہیب حسن صاحب نے کیا جو پانچ اقساط میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے عربی مجلّہ ''البعث الاسلامی'' میں شائع ہوا۔ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو قرآن کی طرف راغب کرنے کے لیے ڈاکٹر صاحبؒ نے حضور ﷺ کے اس قول مبارک کو عام کیا کہ ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)) (صحیح بخاری) ''تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سمجھیں اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیں''۔

ڈاکٹر صاحب نے بیسویں صدی کے عظیم مجدّد' مجاہد اور رجلِ عظیم شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے درج ذیل قول سے تقویت حاصل کی اور اسے بہت عام کیا۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن کا چھوڑ دینا' دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے' بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی میں قائم کیے جائیں' بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے' اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے''۔(۱)

ڈاکٹر صاحب کو اس تشخیص پر کامل یقین تھا' لہٰذا انہوں نے اپنی زندگی قرآن حکیم کی نشر و اشاعت کے مبارک کام میں کھپا دی۔ ان کی اس تشخیص کو مزید تقویت بیسویں صدی کے عظیم فلاسفر علامہ اقبال کے افکار سے حاصل ہوئی۔ وہ زمانہ طالب علمی سے ہی علامہ اقبال کی فکر سے متاثر تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کے افکار آپ پر آشکارا ہوتے گئے۔ چنانچہ وہ خود علامہ اقبال کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''چنانچہ اُن کے اشعار تو ایمان و یقین کے کیف و سرور' محبتِ الٰہی اور عشقِ رسولؐ کے سوز و گداز اور جذبۂ جوشِ ملی سے مملو ہیں ہی' ان کے 'خطبات' بھی درحقیقت وقت کی اعلیٰ ترین فکری سطح پر مطالعۂ قرآن حکیم ہی کی ایک کوشش کا مظہر ہیں جس کے ذریعے علامہ مرحوم نے جدید ریاضیات و طبیعیات اور فلسفہ و نفسیات کا رشتہ قرآن حکیم کی اساسی تعلیمات کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے بغیر دورِ حاضر میں دین و مذہب کی گاڑی کا آگے چلنا محالِ مطلق ہے''۔(۲)

ڈاکٹر صاحبؒ علامہ اقبال کے اشعار کے ذریعے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو یہ پیغام بھی دینا چاہتے تھے کہ قرآن کی قوتِ تسخیر اس قدر شدید ہے کہ مغرب و مشرق کے فلسفوں کا شناور بھی اس کے سامنے گھائل ہے۔ یہ فقط مذہبی ذہن کے حامل لوگوں کو ہی متاثر نہیں کرتا بلکہ علامہ اقبال جیسا مغربی دنیا کے علوم سے فیض یاب ہونے والا فلسفی بھی قرآن کی عظمت کا قائل ہے۔ وہ اقبال کو بہت بڑا ترجمان القرآن سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب علامہ اقبال سے کیوں متاثر تھے' انہی کے الفاظ میں سنئے:

''واقعہ یہ ہے کہ میرے نزدیک اس دور کا سب سے بڑا ترجمان القرآن اور سب سے بڑا داعی الی القرآن علامہ اقبال ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی عظمت کا جس گیرائی اور گہرائی کے ساتھ احساس علامہ اقبال کو ہوا' میری معلومات کی حد تک اس درجے عظمت کا انکشاف کسی اور انسان پر نہیں ہوا۔ جب وہ قرآن مجید کی عظمت بیان کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ان کی دید اور ان کا تجربہ ہے۔'' (۳)

ڈاکٹر صاحبؒ کی قرآنی خدمات کے ضمن میں اوّلیت تو ان کے دروسِ قرآن کو حاصل ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ کے بقول زمانہ طالب علمی میں ہی ان کے دروسِ قرآن کا عام چرچا تھا۔ ان دروسِ قرآن کے ذریعے انہوں نے لاکھوں انسانوں کو متاثر کیا اور ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوئے۔ جب ڈاکٹر صاحب ۱۹۵۴ء میں ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ساہیوال میں سکونت پذیر ہوئے' تو اس وقت انہوں نے ساہیوال اور گردونواح میں حلقہ ہائے دروسِ قرآن قائم کیے۔ یہ دروس انتہائی مقبول ہوئے۔ جب آپ ۱۹۵۸ء میں کراچی تشریف لے گئے تو وہاں بھی آپ کے دروسِ قرآنی کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۶۵ء میں آپ مستقلاً لاہور میں رہائش پذیر ہوئے تو اس کے بعد دروسِ قرآنی کے حلقے وسیع سے وسیع تر ہوتے گئے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحبؒ خود رقم طراز ہیں:

''۱۹۶۵ء ہی کے وسط میں راقم الحروف غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد کے پختہ ارادے' اور تعلّم و تعلیم قرآن کی منظم منصوبہ بندی کے عزمِ مصمم کے ساتھ دوبارہ وارِدِ لاہور ہوا۔ چنانچہ وہ دن اور آج کا دن یہی دو کام میری زندگی کا مرکز و محور رہے ہیں۔ اور ان پچیس سالوں کے دوران' الحمدللہ' ثم الحمدللہ کہ میرے اوقات اور میری صلاحیتوں اور توانائیوں کا اکثر و بیشتر حصہ اصلاً غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد اور عملاً تعلّم و تعلیم قرآن کی مساعی میں صَرف ہوا ہے''۔ (۴)

قارئین! ڈاکٹر صاحبؒ کی مندرجہ بالا تحریر ۲۱ سال پہلے کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی حیاتِ مستعار کا آخری لمحہ بھی اسی کام میں صرف کیا ہے۔

لاہور میں مسجد خضراء سمن آباد اور مسجد شہداء کے ہفتہ وار دروسِ قرآن کو بہت شہرت ملی۔ جو لوگ ان دروسِ قرآن میں شریک رہے ہیں وہ ان روح پرور مناظر کے چشم دید گواہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ کے ان دروسِ قرآن کا یہ سلسلہ لاہور اور اس کے مضافات تک محدود نہ رہا بلکہ دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بھی ماہانہ دروسِ قرآن کی محافل منعقد ہونے لگیں۔ چنانچہ کراچی میں تاج محل ہوٹل کی ''شامِ الہدیٰ'' اور اسلام آباد کے کیمونٹی سنٹر آب پارہ کے ماہانہ درسِ قرآن سے ہزاروں تشنگانِ علم سیراب ہوئے۔ ان سطور کا راقم بھی ۱۹۸۷ء میں اسلام آباد کے ماہانہ درسِ قرآنی سے ہی ڈاکٹر صاحب کی فکر اور شخصیت سے متعارف ہوا۔

ڈاکٹر صاحبؒ کے ان دروسِ قرآنی کے سامعین کی بڑی تعداد اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مرفّہ الحال طبقہ پر مشتمل ہوتی تھی' کیونکہ ان دروسِ قرآن کا معیار انتہائی اعلیٰ علمی سطح کا ہوتا تھا۔ وہ خود فرماتے تھے کہ میرے مخاطبین یہی لوگ ہیں' اگر سوسائٹی کا یہ طبقہ تبدیل ہو جائے تو یہ تبدیلی خود بخود نچلی سطح تک پہنچے گی' کیونکہ یہی لوگ معاشرے کا رجحان (trend) بنانے اور بگاڑنے والے ہوتے ہیں اور عام لوگ انہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحبؒ کی فکرِ قرآنی جغرافیائی سرحدوں سے نکل کر دوسرے ممالک تک پہنچ گئی۔ چنانچہ انہوں نے

۱۹۷۹ء میں امریکہ کا پہلا دعوتی و تبلیغی دورہ کیا جو بعد میں مختصر وقفوں کے ساتھ مسلسل جاری رہا۔ امریکہ کی سرزمین بھی آپ کی دعوتِ قرآنی کے لیے انتہائی سازگار ثابت ہوئی۔ ۱۹۸۴ء میں مکہ مسجد حیدر آباد دکن (بھارت) میں مسلسل تین دن ہزاروں خواتین و حضرات نے آپ کے کئی کئی گھنٹوں پر محیط دروسِ قرآن سنے۔ ۱۹۸۵ء میں آپ نے ابوظہبی کا دورہ کیا اور وہاں مختلف موضوعات پر بھرپور دروسِ قرآن دیے' جن کی وڈیو ریکارڈنگ بھی موجود ہے۔ میں نے یہاں ڈاکٹر صاحبؒ کے صرف ابتدائی بیرونی اسفار کا ذکر کیا ہے' اگر اس داستان کو مرتب کیا جائے تو علیحدہ ایک کتاب کی متقاضی ہے۔ میں صرف یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ داعیٔ قرآن' فکرِ قرآنی کا علم لے کر کہاں کہاں نہیں گیا' بقول شاعر ؎ ''میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا!''

ڈاکٹر صاحبؒ کی قرانی فکر کو اُس وقت ایک نئی جہت ملی جب پاکستان ٹیلی ویژن نے ان کے لیے اپنے دروازے وا کیے۔ ان دروس نے آپ کی فکر اور شخصیت دونوں کو خوب متعارف کرایا۔ PTV کے ان پروگراموں میں ''بیان القرآن'' کے عنوان سے ایک پروگرام شروع ہوا' جو چار سال تک مسلسل چلتا رہا۔ اس کے علاوہ تین سال تک ہر رمضانِ مبارک میں پی ٹی وی پر آپ کے پروگرام ''الکتاب''، ''الٓمّ'' اور ''حکمت و ہدایت'' جاری رہے۔ اس کے علاوہ ربیع الاول کے مہینے میں فلسفۂ رسالت کے بارے میں آپ کا پروگرام ''رسولِ کامل ﷺ'' بھی پی ٹی وی پر ٹیلی کاسٹ ہوا۔ اس پروگرام کی وڈیو ریکارڈنگ بھی موجود ہے۔

PTV کے جس پروگرام نے ڈاکٹر صاحبؒ کو شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا وہ درسِ قرآن کا ہفتہ وار پروگرام ''الہدیٰ'' ہے جو پندرہ ماہ تک جاری رہا۔ جب یہ پروگرام شروع ہوا اُس وقت تک ٹی وی خاصا عام ہو چکا تھا' لہٰذا لوگ بتاتے ہیں کہ ہم اس پروگرام کا اس شدت سے انتظار کرتے تھے جیسے ڈرامہ کا بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ اس پروگرام کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے دین بیزار' الحاد پرست اور سیکولر طبقے کی نیندیں حرام کر دیں۔ چنانچہ اس پروگرام کو بند کرانے کے لیے مظاہرے شروع ہو گئے۔ جنرل ضیاء الحق نے نام نہاد روشن خیال بباطن چنگیز سے تاریک تر خواتین و حضرات کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور پروگرام بند ہو گیا۔ لیکن اس شر سے یہ خیر برآمد ہوا کہ مسلمانانِ پاکستان کے تمام وہ طبقات جو دینی غیرت و حمیت رکھتے تھے' انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے حق میں اور پروگرام کے شروع کروانے کے لیے ملک کے طول و عرض میں بھرپور مظاہرے کیے۔ ان مظاہروں کی شان یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحبؒ نے جنرل ضیاء سے کہا کہ میں اس وقت اس پوزیشن میں ہوں کہ آپ کی حکومت کے خلاف زوردار تحریک چلا سکوں لیکن میرے پاس ایسے تربیت یافتہ لوگ نہیں ہیں جو اس انقلاب کو سنبھال سکیں' لہٰذا میں کسی مفاد پرست طبقے کو فائدہ نہیں پہنچانا چاہتا۔ یوں ڈاکٹر صاحب کی تحریک کی طرف لوگوں کا رجوع زیادہ ہو گیا۔

پاکستان ٹیلی ویژن نے اپنے دروازے ڈاکٹر صاحبؒ پر بند کر دیے لیکن فکرِ قرآنی کے افشاء کے لیے اللہ تعالیٰ نئے نئے راستے وا کرتا رہا۔ جب الیکٹرانک میڈیا آزاد ہوا اور پرائیویٹ سیکٹر میں نئے چینلز کھلنے لگے تو ڈاکٹر صاحبؒ کے دروسِ قرآنی کا سلسلہ مختلف چینلز پر پھر سے شروع ہو گیا۔ چنانچہ آپ کا ترجمہ و تفسیر قرآن کا پروگرام ''بیان القرآن'' Qtv سمیت مختلف چینلز پر لاکھوں انسانوں کے قلوب و اذہان کو مسخر کرنے کا ذریعہ

بنا۔لیکن ڈاکٹر صاحبؒ کی زوردار قرآنی فکر نے پھر کچھ لوگوں کو پریشان کر دیا۔ان شر پسند عناصر نے اپنی مسلکی تنگ نظری کے باعث اس فکر انگیز پروگرام کو بند کرا دیا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک اور راستہ نکال دیا' چنانچہ محترم ڈاکٹر عبدالکریم ذاکر نائیک حفظہ اللہ کے Peace-TV کے ذریعے آج بھی لاکھوں لوگ نورِ قرآنی سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحبؒ کی خدماتِ قرآنی میں ایک اہم سنگ میل نمازِ تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کو حاصل ہے۔ اس طرح کے طویل دورانیے کے پروگرام کی کوئی دوسری مثال ڈاکٹر صاحبؒ سے پہلے نہیں ملتی۔ اس پروگرام کا آغاز ۱۴۰۴ھ (۱۹۸۴ء) کے رمضان المبارک میں ''جامع القرآن'' قرآن اکیڈمی لاہور سے ہوا۔ صلوٰۃ التراویح میں قرآن مجید کے جتنے حصے کی تلاوت کی جاتی' پہلے اس کا ایک رواں ترجمہ اور مختصر تفسیر بیان کر دی جاتی۔ اب قاری جب قرآن کی تلاوت شروع کرتا تو سامعین پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی اور یہ تلاوت علامہ اقبال کے اس شعر کا مصداق بن جاتی ۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی' نہ صاحبِ کشّاف

یہ روح پرور پروگرام رات دو اڑھائی بجے تک جاری رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پروگرام کو اس قدر پذیرائی بخشی کہ ہر رمضان المبارک میں قرآن اکیڈمی کی ''جامع القرآن'' میں ایک عجیب ایمان پرور منظر دیکھنے کو ملتا۔ مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوتی اور انہماک بھی دیدنی ہوتا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ملک بھر میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگرام شروع ہو گئے جو آج تک جاری ہیں۔ بلا مبالغہ ملک بھر میں سینکڑوں مقامات پر ڈاکٹر صاحبؒ کے تلامذہ بنفس نفیس دورۂ ترجمۂ قرآن کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ چھوٹے گروپوں کی شکل میں ہزاروں مقامات پر ڈاکٹر صاحب کی ویڈیو کیسٹس کے ذریعے یہ پروگرام منعقد ہوتے ہیں۔ یہ ایسا کام ہے جس کی ابتدا کا سہرا ڈاکٹر صاحب کے سر ہے' بقول حفیظ ۔

کیا پابندِ نَے نالے کو میں نے یہ طرزِ خاص ہے ایجاد میری!

ڈاکٹر صاحب نے مختلف مواقع پر الگ الگ علمی سطح کے دروسِ قرآن دیے ہیں۔ بعض دروس انتہائی مختصر اور عام فہم ہیں' جیسے دورۂ ترجمۂ قرآن ہے' لیکن بعض دروس اعلیٰ علمی سطح کے حامل ہیں۔ ایک درسِ قرآن ۱۹۷۴ء میں شروع کیا اور ۹ نومبر ۱۹۹۱ء کو ختم قرآن کی تقریب منعقد ہوئی۔ یہ انتہائی مفصل دروس ہیں' بعض اوقات ایک آیت کا درس ایک گھنٹے پر مشتمل ہے۔ بدقسمتی سے ان دروس کی مکمل ریکارڈنگ موجود نہیں ہے' تاہم کافی حصوں کی ریکارڈنگ موجود ہے۔ ان دروس کو کتابی شکل میں سامنے لانا بہت ضروری ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحبؒ کی علمیت کا شاہکار ہوگا۔

دروسِ قرآن کے ضمن میں ''مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب'' کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ اس منتخب نصاب کی بنیاد تو سورۃ العصر ہے' لیکن اس کے بعد اس کے پانچ حصے ہیں' جو سورۃ العصر کے مضامین کو ہی کھولتے ہیں۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے تصورِ دین کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ ایک مؤمن کے دینی فرائض کی وضاحت کی ہے۔ اس منتخب نصاب کو ڈاکٹر صاحبؒ نے مختلف مواقع پر بیان کیا ہے۔ بعض دروس مختصر ہیں اور

بعض بہت مفصل اور علمی سطح کے حامل ہیں۔ مختصر ریکارڈنگ جو چوالیس آڈیو کیسٹس پر مشتمل ہے' اس کی مدد سے قرآن حکیم کی علمی وفکری راہنمائی پر مشتمل خط وکتابت کورس تیار کیا گیا ہے۔ یہ فاصلاتی طرزِ تعلیم گھر بیٹھے ہزاروں خواتین وحضرات کی رہنمائی کا ذریعہ ثابت ہو رہا ہے۔ اس ''منتخب نصاب'' کو ماہنامہ ''حکمت قرآن'' اور ماہنامہ ''میثاق'' میں بھی شائع کیا گیا ہے اور کتابچوں کی صورت میں بھی دستیاب ہے۔ اب اسے کتابی شکل میں شائع کرنے کا اہتمام بھی کیا جا رہا ہے۔

اس منتخب نصاب کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے ''منتخب نصاب حصہ دوم'' بھی مرتب فرمایا۔ یہ بھی بہت اہم ہے۔ اس حصہ میں قرآن حکیم کی روشنی میں ایک اسلامی تحریک کے رفقاء کے باہمی تعلقات' امیر و مامور کا باہمی تعلق' تحریک کے کام کے تقاضے اور اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اس میں بہت سے علمی مباحث شامل ہیں' اس کی مدد سے حضورﷺ کی برپا کردہ اسلامی تحریک کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ بہت علمی سطح کے دروس ہیں اور انہیں ماہنامہ ''میثاق'' میں شائع کیا گیا ہے۔ اب یہ دروس ''حزب اللہ کے اوصاف اور امیر و مامورین کا باہمی تعلق'' کے عنوان سے کتابی صورت میں موجود ہیں۔

ڈاکٹر صاحبؒ کے دروسِ قرآن کے حوالے سے ایک ضمنی بات بیان کرنا ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے درسِ قرآن کا جو اسلوب متعارف کرایا وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے متن کو بنیاد بنا کر درس دیا جائے۔ درسِ قرآن کے عنوان سے مختلف ادارے اور جماعتیں جو پروگرام منعقد کرتی ہیں' وہ حقیقت میں درسِ قرآن نہیں ہوتا بلکہ مقرر کسی خاص موضوع پر قرآن وسنت اور دیگر دلائل کو بروئے کار لا کر ایک مقفیٰ و مسجع تقریر کر دیتا ہے یا اپنا حاصلِ مطالعہ پیش کر دیتا ہے' قرآن حکیم کے کسی خاص مقام کو بیان نہیں کیا جاتا' جبکہ ڈاکٹر صاحبؒ کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ایک تسلسل کے ساتھ قرآن کے اس خاص مقام پر آنے والے نکات کو بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ گویا اصل ''Focus'' قرآن ہوتا ہے۔ یہی انداز ڈاکٹر صاحبؒ کے تلامذہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ ان دونوں اسالیب سے جوہری فرق واقع ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی قرآنی خدمات میں ''قرآن کانفرنسوں'' کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ ستر اور اسی کی دہائی میں ان کانفرنسوں کو بہت شہرت ملی۔ قرآن حکیم کے علوم ومعارف کو عام کرنے میں ان کانفرنسوں نے اہم کردار ادا کیا۔ ان کانفرنسوں میں مختلف مکاتب فکر کے علماء اور اہلِ فکر ودانش کو مدعو کیا جاتا۔ ہر کانفرنس کا ایک خاص موضوع ہوتا' جس پر علماء مقالے بھی پڑھتے اور تقاریر بھی کرتے۔ چنانچہ پاکستان کے علاوہ بھارت سے بھی جید علماء کرام' جیسے مولانا اخلاق حسین قاسمی' مولانا سعید احمد اکبر آبادی' مولانا عبدالکریم پاریکھ اور مولانا وحید الدین خان وغیرہم' کو بھی مدعو کیا جاتا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا' لیکن بعد میں ان ''قرآن کانفرنسوں'' کی جگہ ''محاضراتِ قرآنی'' کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحبؒ وضاحت کرتے ہیں:

> ''مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا قیام اسی بنیاد پر عمل میں آیا تھا' چنانچہ اس کے زیر اہتمام دسمبر ۱۹۷۳ء سے مسلسل سات سال تک قرآن کانفرنسوں کے انعقاد کا سلسلہ جاری رہا۔ لاہور اور کراچی

میں بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے سات نہایت عالی شان سالانہ قرآن کانفرنسیں منعقد کیں۔ اس کے بعد بعض اسباب سے ہم نے عنوان بدلا' جن میں سب سے بڑا سبب جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے لیے باعث مسرت اور بارگاہِ ربّ العزت میں ہماری ان حقیر کوششوں کے مقبول ہونے کا کسی درجہ میں سہی ایک مظہر بھی ہے' یہ تھا کہ ''قرآن کانفرنس'' کا لفظ اتنا مقبول' اتنا معروف اور اتنا مشہور ہوا کہ جابجا دوسرے اداروں کی طرف سے نہ صرف متعدد قرآن کانفرنسیں' جنہیں بجا طور پر قرآن کانفرنسیں قرار دیا جاسکتا ہے' منعقد ہوئیں' بلکہ بات یہاں تک جا پہنچی کہ اگر کسی تجوید کے مدرسے کے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد کا انعقاد ہوا تو اس کا عنوان بھی ''قرآن کانفرنس'' قرار دیا جانے لگا' تو ہم نے پھر اس کو چھوڑ کر ''محاضراتِ قرآنی'' کی اصطلاح سے ان مجالس کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا''۔(۵)

غالباً ۱۹۸۹ء سے محاضراتِ قرآنی کا آغاز ہوا۔ یہ محاضرات کراچی میں بھی منعقد ہوئے اور لاہور میں بھی۔ چنانچہ ایک موضوع کا انتخاب کیا جاتا' اس پر ڈاکٹر صاحبؒ متعدد قرآنی لیکچر دیتے۔ ہر لیکچر کے بعد اہل فکر و دانش کا ایک پینل اس علمی موضوع سے متعلق سوالات کرتا' ڈاکٹر صاحبؒ اس کی وضاحت کرتے۔ یہ پینل مختلف مکاتب فکر کے جید علماء' جدید فکر کے حامل اہل فکر' وکلاء اور صحافیوں پر مشتمل ہوتا۔ ۱۹۸۹ء میں منعقد ہونے والے محاضراتِ قرآنی کا موضوع ''اسلام کا نظامِ حیات'' تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسلام کا روحانی و اخلاقی نظام' اسلام کا معاشرتی نظام' اسلام کا سیاسی و ریاستی نظام اور اسلام کا معاشی نظام پر اڑھائی اڑھائی گھنٹے کے خطاب فرمائے اور بعد میں تیکھے اور چبھتے ہوئے سوالات کے جوابات دیے۔ ۱۹۹۱ء میں لاہور میں منعقد ہونے والے محاضراتِ قرآنی کا موضوع ''حقیقتِ ایمان'' تھا۔ اس موضوع کو پانچ ذیلی موضوعات میں تقسیم کیا گیا۔ یہ محاضراتِ قرآنی اب کتابی شکل میں موجود ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں ''تحریک خلافت پاکستان'' کا آغاز کرنے کے بعد محترم ڈاکٹر صاحبؒ نے پورے پاکستان کا مفصل دورہ کیا' جس کے دوران تمام بڑے شہروں میں عوامی جلسوں سے خطاب فرمایا۔ بعدازاں کراچی' لاہور' راولپنڈی' پشاور' کوئٹہ اور ملتان میں ہالز اور آڈیٹوریمز کی مسقف چار دیواری میں محصور پُرسکون ماحول میں ''خطباتِ خلافت'' کی صورت میں خالص علمی اور عقلی استدلال کے ساتھ نظامِ خلافت سے متعلق ان جملہ مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جو بالعموم نہ صرف مخالفین بلکہ موافقین کے ذہنوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لاہور میں یہ ''خطباتِ خلافت'' ٹاؤن ہال میں ہوئے۔ یہ پانچ خطبات اب ''خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام'' کے عنوان سے کتابی شکل میں دستیاب ہیں۔ مذکورہ بالا محاضرات اعلیٰ علمی سطح کے حامل ہیں' ان کے ذریعے اہل علم و دانش تک قرآن حکیم کی دعوت کو پہنچایا گیا۔

ڈاکٹر صاحبؒ اس اعتبار سے انتہائی خوش قسمت انسان تھے کہ انہیں ایسے رفقاء کار میسر آئے جو آپ کے کام کو جدید انداز میں محفوظ کرتے رہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآنی آڈیو' ویڈیو کیسٹس' CDs اور DVDs میں محفوظ ہیں۔ دعوتِ قرآنی کی نشر و اشاعت میں ان کیسٹس اور CDs نے انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی مدد سے لاکھوں نفوسِ انسانی نورِ قرآنی سے مستفید ہو رہے ہیں۔ عملی موضوعات پر مشتمل ان کیسٹس اور CDs کی نہ صرف پاکستان بلکہ بیرون ملک میں بھی بہت مانگ ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ اگرچہ اب ہمارے

درمیان موجود نہیں ہیں' لیکن جدید سائنس کا یہ معجزہ ہے کہ ان کی آڈیو ویڈیو کیسٹس اور CDs سے ہم ان سے ایسے ہی مستفید ہو سکتے ہیں جیسے کہ وہ ہمارے سامنے درس دے رہے ہوں۔ خدمتِ قرآنی کا یہ سلسلہ نہ ختم ہونے والا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو اس بات کا کامل ادراک تھا کہ ''رجوع الی القرآن'' کی اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے ٹھوس بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے' چنانچہ انہوں نے اس کام کو اداراتی شکل میں منظم کرنے کا خواب دیکھا۔ ان کے بہت سے خواب ان کی زندگی میں شرمندۂ تعبیر ہوئے جبکہ کچھ کام وہ ادھورے چھوڑ گئے جو ان کے فکری وارثوں کے کرنے کے ہیں۔

انہوں نے سب سے پہلے اپنے قیامِ ساہیوال کے دوران ایک ''قرآنی دارالقامہ'' قائم کیا تھا جس میں کالج میں زیرِ تعلیم طلبہ کو رہائش فراہم کر کے' انہیں عربی زبان اور قرآن حکیم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ نوجوانوں کو قران حکیم کی طرف لانے کی یہ اوّلین کوشش تھی۔

۱۹۶۵ء میں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے ایک اشاعتی ادارہ ''دار الاشاعت الاسلامیہ'' قائم کیا۔ اس ادارے کا مقصد قرآنی مطبوعات کی اشاعت تھا۔ یہ ادارہ ڈاکٹر صاحب نے اس رقم سے قائم کیا جو انہیں اپنے بھائیوں سے کاروباری علیحدگی سے حاصل ہوئی۔ اس ادارے نے مولانا امین احسن اصلاحی کی تصانیف اور ان کی معرکۃ الآراء تفسیر ''تدبر قرآن'' کی ابتدائی جلدیں شائع کیں۔ ماہنامہ ''میثاق'' جو پہلے مولانا امین احسن اصلاحی کی زیر ادارت نکلتا تھا اور کچھ عرصہ سے بند تھا' وہ بھی دوبارہ شائع کرنا شروع کیا۔

ڈاکٹر صاحبؒ نے ۱۹۷۲ء میں ''انجمن خدام القرآن'' قائم کی۔ اس کے قیام کے مقاصد میں علومِ قرآنی کی اشاعت اور مختلف تعلیمی اداروں کے قیام کے لیے وسائل مہیا کرنا تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے ۱۹۶۷ء میں ایک قرآن اکیڈمی کا خواب دیکھا تھا۔ چنانچہ وہ خود رقم طراز ہیں:

''......ایک قرآن اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا جائے' جو ایک طرف علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کا بندوبست کرے تا کہ قرآن کا نور عام ہو اور اس کی عظمت لوگوں پر آشکارا ہو اور دوسری طرف ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے جو بیک وقت علومِ جدیدہ سے بھی بہرہ ور ہوں اور قرآن کے علم و حکمت سے بھی براہِ راست آگاہ ہوں تا کہ متذکرہ بالا علمی کاموں کے لیے راہ ہموار ہو سکے۔ علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کا اہم ترین نتیجہ یہ نکلے گا کہ عام لوگوں کی توجہات قرآن حکیم کی طرف مرکوز ہوں گی' ذہنوں پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہوگا' دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہوگی اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہوگا۔ نتیجتاً بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں گے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ ان میں سے اچھی بھلی تعداد ایسے نوجوانوں کی نہ نکل آئے جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی کو اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دیں۔ ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اس اکیڈمی کا اصل کام ہوگا اور اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ان کو پختہ بنیادوں پر عربی کی تعلیم دی جائے' یہاں تک کہ ان میں زبان کا گہرا فہم اور اس کے ادب کا ستھرا ذوق

پیدا ہو جائے۔ پھر انہیں سبقاً سبقاً قرآن پڑھایا جائے اور ساتھ ہی حدیث نبوی ﷺ فقہ اور اصولِ فقہ کی تعلیم دی جائے۔'' (٦)

ڈاکٹر صاحب نے قرآن اکیڈمی کا خواب کیوں دیکھا' اس کی وضاحت بھی انہوں نے کر دی۔ ڈاکٹر صاحبؒ کو اس بات کا بھی ادراک تھا کہ دینی مدارس میں قرآن کی طرف رجوع بہت کم ہے۔ پھر اس بات کی نہ کوئی ترغیب ہے' نہ اہتمام کہ عوام الناس تک قرآنی علوم پہنچائے جائیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں:

''یہ عرض کرنا غالباً خارج از محل شمار نہیں ہوگا کہ خود علماء کے حلقوں میں تا حال قرآن حکیم پر توجہ اس درجہ مرکوز نہیں ہوئی جتنی ہونی چاہیے تھی۔ راقم الحروف نے ایک بار مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ سے دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ پر تو ہمارے یہاں ضخیم تصانیف موجود ہیں لیکن اصولِ تفسیر پر کل دو مختصر رسالے ملتے ہیں' ایک امام ابن تیمیہؒ کا اور دوسرا شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا؟ اس کا جواب تو مولانا نے قدرے توقف کے بعد یہ دیا کہ اصل میں اصولِ فقہ کی کتابوں میں اصولِ تفسیر بھی زیرِ بحث آ جاتے ہیں لہٰذا علیحدہ تصانیف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن جب میں نے یہ دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ آپ کے دارالعلوم میں تخصص فی الحدیث کا شعبہ بھی ہے اور تخصص فی الفقہ کا بھی' لیکن تخصص فی التفسیر کا شعبہ موجود نہیں ہے؟ تو اس پر مولانا نے پوری فراخدلی کے ساتھ تسلیم فرمایا کہ یہ ہماری کوتاہی ہے۔'' (٧)

چنانچہ انہوں نے ۱۹۷۶ء میں قرآن اکیڈمی قائم کی تا کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان قرآن حکیم پر غور و فکر' بحث و تحقیق اور نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھائیں اور یہ ان کی زندگی کا مقصد ٹھہرے۔ قرآن اکیڈمی کے قیام کے ساتھ ہی ایسے نوجوانوں کی تیاری کا کام شروع کر دیا گیا۔ ابتداءً جب دو سالہ دینی کورسز کا اجراء ہوا تو نوجوانوں کو راغب کرنے کے لیے باقاعدہ وظائف بھی دیے جاتے' مفت رہائش اور خوراک کا اہتمام بھی کیا جاتا۔ الحمد للہ نوجوانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس کام کے لیے تیار ہوگئی۔ بعد ازاں ایک سالہ ''رجوع الی القرآن کورس'' متعارف کرایا گیا جو اب تک باقاعدگی سے جاری ہے' اس میں خواتین بھی شریک ہوتی ہیں۔ چنانچہ حلقہ خواتین میں قرآنی فکر پہنچانے کے لیے اچھی خاصی تعداد خواتین مدرسین کی بھی تیار ہو چکی ہے جن میں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی صاحبزادیاں بھی شامل ہیں۔

ابتداءً لاہور میں قرآن اکیڈمی قائم ہوئی' الحمد للہ اب تمام بڑے شہروں کراچی' فیصل آباد' ملتان اور جھنگ میں قرآن اکیڈمیز معرضِ وجود میں آ چکی ہیں' لہٰذا تمام جگہ اس نوعیت کے کورسز کا اجراء کیا جاتا ہے۔ طویل کورسز کے ساتھ ساتھ مختصر دورانیے کے عربی زبان کی تفہیم کے کورسز بھی تمام جگہوں پر جاری رہتے ہیں۔ اس ضمن میں قرآن اکیڈمی کراچی اور جھنگ بہت وقیع اور عمدہ کام کر رہی ہیں۔ قرآن اکیڈمی کراچی کے روحِ رواں انجینئر نوید احمد ہیں' جو ایک باصلاحیت اور جذبہ رکھنے والے نوجوان ہیں' جبکہ قرآن اکیڈمی جھنگ کے مدیر المہام انجینئر مختار حسین فاروقی مدظلہ ہیں' جنہوں نے اپنی پوری جوانی اسی کام میں لگائی ہے اور اب ان کا شمار ڈاکٹر صاحبؒ کے ان شاگردوں میں ہوتا ہے جو خود بھی بزرگی کی دہلیز پر دستک دے رہے ہیں۔ ان اور ان جیسے دوسرے حضرات

کو ہم صحیح معنوں میں ڈاکٹر صاحبؒ کا فکری جانشین اور شاگرد رشید کہہ سکتے ہیں۔

قرآن اکیڈمیوں کے علاوہ ۱۹۸۹ء میں قرآن کالج کا قیام بھی عمل میں آیا۔ اس کا مقصد بھی عصری علوم کے ساتھ دینی علوم خصوصاً قرآن حکیم کی تفہیم کا اہتمام کرنا ہے۔ اب قرآن کالج کو ''کلیۃ القرآن'' میں بدل کر ایک جدید اسلامی مدرسے کی شکل دی گئی ہے' جہاں درس نظامی کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ قرآن کالج' یعنی کلیۃ القرآن کے ساتھ ایک شاندار قرآن آڈیٹوریم بھی قائم ہے جہاں ڈاکٹر صاحبؒ ہفتہ وار درس قرآن دیا کرتے تھے۔ اب یہاں ان کے خلف الرشید ڈاکٹر عارف رشید صاحب ہفتہ وار درس کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔ نیز دیگر دینی پروگرام' سیمینار وغیرہ کا انعقاد یہیں ہوتا ہے۔ اس سے ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہوگئی' ورنہ اس طرح کے پروگراموں کے لیے شہر کے وسط میں ہال کرائے پر لینا پڑتے تھے۔

ڈاکٹر صاحبؒ نے ۱۹۶۸ء میں ایک قرآن یونیورسٹی کا خواب بھی دیکھا تھا' جس میں تمام علوم قرآن حکیم کے گرد گھومتے ہوں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں:

> ''یہ کام ظاہر ہے کہ اُس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک عالم اسلام میں جابجا ایسی یونیورسٹیاں قائم نہ ہوں جن میں سے ہر ایک کا اصل مرکزی شعبہ ''تدبر قرآن'' کا ہو اور اس کے گرد تمام علوم عقلی جیسے منطق' مابعد الطبیعیات' اخلاقیات' نفسیات اور الٰہیات' علومِ عمرانی جیسے معاشیات' سیاسیات اور قانون اور علوم طبعی جیسے ریاضی' کیمیا' طبیعیات' ارضیات اور فلکیات وغیرہ کے شعبوں کا ایک حصار قائم ہو' اور ہر ایک طالب علم ''تدبر قرآن'' کی لازماً اور ایک یا اس سے زائد دوسرے علوم کی اپنے ذوق کے مطابق تحصیل کرے اور اس طرح ان شعبہ ہائے علوم میں قرآن کے علم وہدایت کو تحقیقی طور پر اخذ کر کے مؤثر انداز میں پیش کر سکے''۔ (۸)

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا یہ خواب تاحال پورا نہیں ہوا۔ اُن کے تلامذہ اور فکری ورثاء پر بہت سے قرض باقی ہیں جو انہوں نے چکانے ہیں۔ ان کی فکر کی بہت سی تہیں ابھی کھلنی ہیں' کئی فکری گوشوں کو اُجاگر ہونا ہے۔ ان کا بہت سا فکری کام ماہنامہ ''میثاق'' اور ''حکمت قرآن'' کے صفحات میں بکھرا پڑا ہے' جسے مرتب ومدوّن کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب کے قرآنی افکار ہزاروں کی تعداد میں کیسٹس میں محفوظ ہیں' جنہیں کتابی شکل میں لانا باقی ہے۔ کیسٹس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے' یہ دعوت کا انتہائی مؤثر ذریعہ ہیں لیکن ان کی اہمیت وہ نہیں ہے جو کتاب کی ہوتی ہے۔ کسی بھی بڑے مفکر' دانشور' ادیب اور سکالر کے افکار کا حوالہ کتب ہوتی ہیں' لہٰذا ڈاکٹر صاحبؒ کے قرآنی افکار کا کتابی شکل میں مدوّن ہونا باقی ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحبؒ فردِ واحد کی حیثیت سے کام کا آغاز کر کے ''رجوع الی القرآن'' کی اتنی عظیم تحریک برپا کر سکتے ہیں تو کیا اتنے سارے ادارے' افراد اور وافر وسائل اس کام میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے؟ یہ ایک سوال ہے جو مجھ سمیت ان تمام لوگوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے جو ڈاکٹر صاحب کی فکر کے امین اور خوشہ چین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحبؒ کی مساعی جمیلہ کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور انہیں جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین!

(مضمون کے حواشی صفحہ 54 پر ملاحظہ فرمائیں)

موجودہ دور میں رجوع الی القرآن کی دعوت

انحرافات اور ان کا تدارک

محمد رضی الاسلام ندوی ☆

قرآن کریم اور سیرتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتسلیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اقوام کے درمیان اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اُمتِ مسلمہ کی اصلاح و تزکیہ' دونوں کام صحیح طریقے سے قرآن کو بنیاد بنا کر ہی کیے جاسکتے ہیں۔ قرآنی تعلیمات میں انسانیت کی تمام مشکلات کا حل موجود ہے۔ ان میں وہ نور ہے جس کے ذریعے ظلمتوں میں بھٹکتی دنیا سیدھی راہ پاسکتی ہے اور وہ نسخۂ کیمیا ہے جس کے ذریعے اسے اپنے تمام مصائب و آلام سے چھٹکارا حاصل ہوسکتا ہے۔ اسی طرح قرآنی تعلیمات میں اہلِ ایمان کے لیے بھی ہدایت' رحمت' بشارت' نجات اور فوز و فلاح کے اسباب پوشیدہ ہیں۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں یہ مضامین مذکور ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾﴾ (المائدۃ)

''تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آ گئی ہے اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں' سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے اُن کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور راہِ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔''

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾﴾ (یونس)

''لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کرلیں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔''

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾﴾ (النحل)

''ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کر دینے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔''

☆ معاون مدیر سہ ماہی ''تحقیقاتِ اسلامی'' علی گڑھ (انڈیا) mrnadvi@yahoo.com

﴿هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۝۲۰﴾ (الجاثیۃ)

''یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو یقین لائیں۔''

اُمت کی بھلائی قرآن کی طرف رجوع ہونے میں ہے

اُمتِ مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ شاہد ہے کہ جب اس نے قرآن کریم کو اپنا ہادی و رہنما بنایا' اسے سینے سے لگائے رکھا' اس سے روشنی حاصل کرتی رہی' اس کے احکام و فرامین کو اپنی زندگی میں نافذ کیا اور ان پر عمل پیرا رہی' اس وقت تک اقوامِ عالم کی امامت و قیادت کی زمام اس کے ہاتھ میں رہی' دوسروں نے اس کی سیادت تسلیم کی' کامیابی و کامرانی نے اس کے قدم چومے اور اس کی عظمت و رفعت مسلّم رہی' لیکن جب اس کا رشتہ کتاب اللہ سے کمزور ہوا' اس نے اسے پس پشت ڈال دیا اور قرآنی تعلیمات کی جگہ نفسانی خواہشات' ذاتی مفادات اور رسم و رواج نے لے لی تو اس کی ہوا اُکھڑ گئی' اس کا شیرازہ منتشر ہو گیا' اس کا رعب و دبدبہ اور سطوت و ہیبت کافور ہو گئی' دوسری قومیں اس پر شیر ہو گئیں اور اس طرح ٹوٹ پڑیں جس طرح بھوکے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ذلّت و نکبت اور پسماندگی و شکست خوردگی اس کا مقدر بن گئی۔ اُمتِ مسلمہ کے عروج و زوال کی اس تاریخ پر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان صادق آتا ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ)) [1]

''اللہ اس کتاب کی وجہ سے کچھ قوموں کو بلندی عطا کرتا ہے اور کچھ قوموں کو پستی میں دھکیل دیتا ہے۔''

اسی مفہوم کو شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے اس شعر میں ادا کیا ہے: ؎

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

اس لیے ہر زمانے کی طرح آج بھی اُمت کی بھلائی اسی بات میں ہے کہ وہ قرآن کریم کی طرف رجوع کرے' اس سے اپنا تعلق مضبوط کرے اور اس کے چشمۂ صافی سے سیرابی حاصل کرے۔ اُمت کی اصلاح و فلاح آخری زمانے میں بھی اُسی ذریعے سے ممکن ہے جس ذریعے سے ابتدائی زمانے میں ہوئی تھی۔

مصلحینِ اُمت کی دعوت و تحریک کا محور و مرکز

قرآن کریم کی اسی اہمیت کی بنا پر ہر دور کے مصلحین و مجددین نے اپنی دعوت و تحریک کا محور و مرکز قرآن کریم کو بنایا ہے۔ انہوں نے لوگوں کے دلوں میں قرآن کی عظمت کا سکّہ بٹھانے کی کوشش کی' انہیں شرک و بدعات' باطل افکار و نظریات اور غلط رسوم و رواج سے بچانے اور کتاب اللہ سے ان کا رابطہ جوڑنے کی مہم چلائی۔ انہوں نے اپنے مواعظ و خطبات' دروسِ قرآن اور تصانیف کے ذریعے بھرپور اور منصوبہ بند جدّوجہد کی تاکہ لوگوں کا قرآن سے تعلق مضبوط ہو' وہ اسے پڑھیں' سمجھیں' اس میں غور و تدبر کریں' اپنے معاملات میں اس سے رہنمائی حاصل کریں' اپنے مسائل و مشکلات کو اس کی روشنی میں حل کریں اور اسے اپنی زندگیوں میں جاری و ساری کریں۔ یہاں بطور مثال' نہ کہ بطور حصر' دو شخصیات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ ؒ (م ۷۲۸ھ/۱۳۲۸ء) آٹھویں صدی ہجری/چودھویں صدی عیسوی کے عظیم متکلمِ اسلام گزرے ہیں۔ ان کے زمانے میں مسلمانوں کے درمیان جہاں ایک طرف مشرکانہ عقائد و رسوم مقابر پرستی اور بدعات و خرافات عام تھیں وہیں دوسری طرف یونانی فلسفہ کا بہت زور تھا اور دینی ثوابت و مسلّمات کو اس کی روشنی میں سمجھا جا رہا تھا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے باطل افکار و نظریات اور غیر اسلامی ملل و فرق کا زبردست رد کیا اور کتاب و سنت کی روشنی میں فکرِ اسلامی کو نکھار کر پیش کیا۔ ان کی فکر میں قرآن کریم کو مرکزی مقام حاصل تھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ان کی شخصیت کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''امام ابن تیمیہؒ نے تفسیر کو اپنے فکر و تصنیف کا خاص موضوع بنایا۔ یہ ذوق ان پر اس قدر غالب تھا کہ ان کی کوئی تصنیف مشکل سے ایسی ہو گی جس میں قرآن مجید کی تفسیر کا مواد نہ ملے اور آیات سے استدلال اور ان کی شرح و تفسیر نہ ہو۔ ان کے سامنے جب کوئی آیت آتی ہے تو اس کی تفسیر کیے بغیر ان سے آگے بڑھا نہیں جاتا...... تفسیر سے ان کا تعلق اس میں ان کا اشتغال و انہماک ان کی زندگی میں بھی معروف تھا' یہ ان کا ایسا امتیازی نشان سمجھا جاتا ہے کہ ان کے جنازہ کی نماز کا اعلان بھی اسی عنوان سے ہوا: **الصلاۃ علی ترجمان القرآن**۔''(۲)

دوسری قابلِ ذکر شخصیت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کی ہے۔ ان کے عہد میں بھی بدعات و منکرات کا بڑا زور تھا' لوگ مشرکانہ رسوم و عادات کے اسیر تھے۔ طبقۂ علماء کو بھی فقہی تعصبات نے جکڑ رکھا تھا۔ شاہ ولی اللہؒ نے قرآن کریم کے مطالعہ و فہم اور غور و تدبر کو ان امراض کا سب سے مؤثر علاج سمجھا۔ ان کی تجدیدی خدمات کے اس پہلو پر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے یوں روشنی ڈالی ہے:

''شاہ صاحبؒ نے سفرِ حجاز سے واپسی کے پانچ سال بعد...... یہ فیصلہ کیا کہ ہدایتِ عام' اصلاحِ عقائد اور اللہ تعالیٰ سے طاقتور رابطہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کی ہدایت و تعلیمات کی براہِ راست اشاعت و تبلیغ سے زیادہ مؤثر نہیں ہو سکتا اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ اور اس کی اشاعت...... شاہ صاحبؒ نے ترجمہ اور تفسیر فتح الرحمٰن کے علاوہ اصولِ ترجمہ پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بڑا بصیرت افروز اور عالمانہ ہے...... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ اور قرآن مجید کی تبلیغِ عام کے راستے میں جو چٹان حائل ہو گئی تھی' شاہ صاحبؒ جیسی عظیم المرتبت ہستی کے اقدام سے یہ چٹان ہٹ گئی اور راستہ صاف ہو گیا۔ پھر شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کے پچاس برس بعد ۱۲۰۵۔۱۲۰۴ھ میں ان کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ (م ۱۲۳۰ھ) نے قرآن کا ایسا ترجمہ کیا جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا کسی غیر عربی زبان میں ایسا کامیاب اور شگفتہ ترجمہ' جس میں زیادہ سے زیادہ قرآنی الفاظ کی روح آ گئی ہو' ابھی تک علم میں نہیں...... ان کے بعد انہی کے برادر بزرگ شاہ رفیع الدینؒ (م ۱۲۳۳ھ) نے قرآن مجید کا تحت اللفظ ترجمہ کیا' جو اپنی احتیاطوں اور مصنف کے علمی تبحّر و اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول ہوا...... یہ دونوں ترجمے مسلمانوں کے گھروں میں ایسے عام ہوئے اور قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ان کے پڑھنے کا ایسا رواج ہوا جس کی مثال کسی دوسری دینی کتاب کے بارے میں نہیں مل سکتی۔ جہاں تک اصلاحِ عقائد اور عقیدۂ توحید کی اشاعت کا تعلق ہے' ان دونوں

ترجموں سے فائدہ اٹھانے والوں کی کوئی تعداد نہیں بیان کی جاسکتی کہ وہ لاکھوں سے متجاوز ہوگی۔ حقیقت میں کوئی اسلامی حکومت بھی اپنے وسائل کے ساتھ دعوت و اصلاح کا اتنا بڑا کام انجام نہیں دے سکتی تھی جو ان تینوں ترجموں نے انجام دیا جو ایک ہی شجرۂ طوبیٰ کی شاخیں ہیں...... دعوت الی القرآن اور خواص و اہل علم کے حلقہ میں تدبر قرآن کی صلاحیت پیدا کرنے اور اس کے ذریعہ سے اُمت کی اصلاح کا جذبہ بیدار کرنے کے سلسلہ میں شاہ صاحبؒ کی ایک تجدیدی و انقلابی خدمت اور کارنامہ الفوز الکبیر کی تصنیف ہے جو اپنے موضوع پر (ہمارے علم میں پورے اسلامی کتب خانہ میں) منفرد کتاب ہے۔''(۳)

مجددین و مصلحینِ اُمت کی فہرست میں سے یہ دو نام محض بطور مثال پیش کیے گئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں مصلحین نے اُمتِ مسلمہ کا تعلق کتاب اللہ سے مضبوط کرنے کی کوشش کی ہے اور رجوع الی القرآن کو اپنی دعوت کا محور بنایا ہے۔

فرقِ ضالہ اور قرآنِ کریم

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے اور تاریخِ اسلامی اس پر گواہی دیتی ہے کہ گمراہ فرقوں' تحریکوں اور افراد نے بھی اپنی گمراہیوں کے لیے قرآن سے دلیل حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ معتدل اسلامی فکر کو اختیار کرنے کے بجائے وہ افراط و تفریط کا شکار رہوئے' ان کے افکار و خیالات میں غلو در آیا' انہوں نے اپنے منحرف نظریات و دعاوی کو مبنی برحق ثابت کرنے کے لیے آیاتِ قرآنی کی دُور از کار تاویلات کیں اور انہیں بطور دلیل پیش کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان برحق ثابت ہوا:

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶﴾ (البقرۃ)

''اللہ اس کے ذریعے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہِ راست دکھا دیتا ہے' اور اس سے گمراہی میں وہ انہی کو مبتلا کرتا ہے جو فاسق ہیں۔''

صدرِ اوّل کی اسلامی تاریخ میں ایسے متعدد فرقوں کا نام ملتا ہے جن کا ظہور اگرچہ سیاسی اسباب سے ہوا لیکن بہت جلد ان میں دینی رنگ آ گیا۔ مثلاً خوارج' شیعہ' معتزلہ۔ پھر ان فرقوں کے اصحابِ فکر اور اکابر میں معمولی معمولی باتوں میں اختلاف ہوا اور ہر فرقہ کے تحت بہت سے ذیلی فرقے وجود میں آئے۔(۴)

ان فرقوں نے بھی قرآن کو اپنا ہادی و رہنما بنانے کا دعویٰ کیا' لیکن عملاً انہوں نے اسے اپنی اہواء و آراء کے تابع بنا دیا۔ تاریخِ تفسیر پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی تفسیریں ان فرقوں کے اصحابِ علم نے لکھی ہیں۔ اعتزالی فکر کی حامل تفاسیر میں قاضی عبدالجبار (م۴۱۵ھ/ ۱۰۲۵ء) کی تفسیر 'تنزیہ القرآن عن المطاعن' اور زمخشری (م۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء) کی تفسیر 'الکشاف عن حقائق التنزیل' شہرت رکھتی ہیں۔ اسی طرح شیعی تفاسیر میں عبداللطیف گازرونی کی 'مرآۃ الانوار و مشکاۃ الاسوار' حسن عسکری (م۲۶۰ھ/ ۸۷۳ء) کی تفسیر' فضل بن حسن طبرسی (م۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء) کی تفسیر 'مجمع البیان لعلوم القرآن' ملا حسن کاشی (م بعد ۱۰۶۷ھ/ ۱۰۷۵ء) کی تفسیر 'الصافی فی تفسیر القرآن الکریم' کو شہرت حاصل ہوئی۔ ذخیرۂ تفسیر میں صوفیہ کی بھی متعدد تفاسیر ہیں' جن میں سہل بن عبداللہ تستری (م۲۸۳ھ/ ۸۹۶ء) کی 'تفسیر القرآن' محمد

بن حسین سُلمی اَزدی (م۴۱۲ھ/ ۱۰۲۱ء) کی 'حقائق التفسیر' اور ابو محمد شیرازی (م۶۰۶ھ/ ۱۲۰۹ء) کی 'عرائس البیان فی حقائق القرآن' قابلِ ذکر ہیں۔ صوفیہ کے اندازِ تفسیر سے ایک نئے منہجِ تفسیر کا اضافہ ہوا جسے 'تفسیر اشاری' کہا جاتا ہے۔ ان تفاسیر میں ان کے لکھنے والوں نے آیاتِ قرآنی کی اس انداز سے تفسیر و تاویل کی کہ ان سے ان کے عقائد و نظریات کا تصادم نہ ہو' بلکہ تائید و موافقت کا پہلو نکل آئے۔(۵)

بعد کے زمانوں میں بھی متعدد فرقے ایسے وجود میں آئے جنہوں نے قرآن سے اپنے تعلق کا اظہار کیا' اپنے افکار و نظریات کے اثبات کے لیے قرآن کے حوالے دیے' لیکن حقیقت میں وہ قرآنی تائیدات نہ تھیں' بلکہ ان کے منحرف معتقدات کے لیے آیاتِ قرآنی کی بے جا تاویلات تھیں۔ یہاں بطورِ مثال دو فرقوں کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

(ا) ماضی بعید کی مثال: خوارج

خوارج کا ظہور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوجوں کے درمیان معرکۂ صفین (۳۷ھ/ ۶۵۷ء) کے بعد واقعۂ تحکیم کے موقع پر ہوا۔ اس معرکہ میں ان لوگوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا' لیکن معرکہ کے بعد جب دونوں فریق اس بات پر متفق ہو گئے کہ ہر ایک اپنے ایک نمائندہ کو حَکَم بنائے اور دونوں مل کر جو فیصلہ کریں اسے دونوں فریق تسلیم کر لیں' تو ان لوگوں نے حضرت علیؓ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اسی بنا پر وہ خوارج (یعنی علیحدگی اختیار کرنے والے) کہلائے۔ ان کا استدلال قرآنی آیت ﴿اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ﴾ (الانعام: ۵۷' یوسف: ۴۰) سے تھا۔ یعنی حَکَم بننا صرف اللہ تعالیٰ کا منصب ہے۔

یہ لوگ بڑے متقی و پرہیز گار' انتہائی عبادت گزار اور صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے' قرآن سے ان کا گہرا تعلق تھا' مگر ان کی گمراہی ان کے غلو آمیز نظریات میں تھی۔ ان کے تقویٰ و صالحیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ گناہ کبیرہ' بلکہ بسا اوقات گناہ صغیرہ کے مرتکب کو بھی کافر قرار دیتے تھے' اس لیے خود بھی کبائر و صغائر سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کرتے تھے۔ عصرِ حاضر کے ایک مؤرخ عمر ابوالنصر نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

''خوارج کی ایک شانِ امتیاز یہ تھی کہ انہوں نے قرآن کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا اور اس کے احکام پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ اس معاملے میں انہوں نے بہت زیادہ غلو سے کام لیا اور قرآنی آیات کی بے جا تاویلات کیں۔ انہوں نے گناہِ کبیرہ بلکہ گناہِ صغیرہ کے مرتکب کو منافق اور کافر قرار دیا''۔(۶)

جرمن مستشرق ولہوزن نے ان کا یہ وصف بیان کیا ہے:

''یہ لوگ انتہائی متقی و پرہیز گار تھے' قرآن کی تلاوت کرتے تھے' نہ صرف زبان سے' بلکہ اپنی عبادتوں میں اس کا ورد کرتے رہتے تھے اور رات دن اس میں غور و فکر میں مشغول رہتے تھے' عبادت گزاری اور شب بیداری ان کا نمایاں وصف تھا' کثرتِ سجود سے ان کی پیشانیاں گھس گئی تھیں' وہ امورِ دین میں برابر غور و فکر کرتے رہتے تھے اور اس کے احکام میں مہارت کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتے تھے۔'' (۷)

خود ایک خارجی ابو حمزہ نے اپنے اصحاب کا تعارف بہت اچھے الفاظ میں یوں کرایا ہے:

''اللہ نے انہیں رات کی تنہائی میں دیکھا تو پایا کہ ان کی پیٹھ قرآن کے اجزاء پر جھکی ہوئی ہے۔ وہ جب کسی

ایسی آیت سے گزرتے ہیں جس میں جنت کا ذکر ہوتا ہے تو اس کے اشتیاق میں ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور جب کوئی ایسی آیت آتی ہے جس میں جہنم کا ذکر ہوتا ہے تو ایسے دہاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں گویا جہنم کی چنگھاڑ انہیں سنائی دے رہی ہے۔'' (۸)

خوارج کے قرآن سے اتنے گہرے تعلق کے باوجود ان کی فکر کو اعتبار حاصل نہ ہو سکا' ان کا شمار فرقِ ضالّہ میں کیا گیا اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کی اس پیشین گوئی کا مصداق انہی کو قرار دیا:

((يَخْرُجُ فِيكُمْ قَوْمٌ تَحْقِرُوْنَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَكُمْ مَعَ صِيَامِهِمْ وَعَمَلَكُمْ مَعَ عَمَلِهِمْ وَيَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ ' يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ)) (۹)

''تم میں کچھ لوگ ایسے ظاہر ہوں گے جن کی نمازوں' روزوں اور دیگر اعمال کو دیکھ کر تمہیں اپنی نمازیں' روزے اور دیگر اعمال حقیر معلوم ہونے لگیں گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے' لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے اس طرح باہر نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے باہر نکل جاتا ہے۔''

ب) ماضی قریب کی مثال: اہلِ قرآن

بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں مخصوص ذہنیت رکھنے والے کچھ ایسے افراد سامنے آئے جنھوں نے قرآن سے اپنی وابستگی اور گہرے تعلق کا اظہار کیا' قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے کتابیں تصنیف کیں' رسائل جاری کیے' دروسِ قرآن کی مجلسیں آراستہ کیں اور تفسیریں لکھیں' لیکن انہوں نے آیاتِ قرآنی کی من مانی' دُوراز کار اور غلط تاویلات کے ذریعے ایک ایسے 'اسلام' کا ڈھانچہ تیار کیا جس کے خدوخال حقیقی اسلام سے یکسر مختلف تھے۔

اس طائفہ کے سرخیل چودھری غلام احمد پرویز (م ۱۹۸۵ء) رہے ہیں۔ انہوں نے قرآنیات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں' جن میں مفہوم القرآن' معارف القرآن' تبویب القرآن اور لغات القرآن (۴ جلدیں) مشہور ہوئیں۔ انہوں نے اپنے ہم فکر اصحاب کے ساتھ مل کر ایک جمعیت بنائی جو 'بزمِ اہلِ قرآن' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اپنے افکار و نظریات کی اشاعت کے لیے 'طلوعِ اسلام' کے نام سے ایک ماہ نامہ جاری کیا۔ اسی گروہ کے ایک فرد مولوی احمد الدین امرتسری ہیں' انہوں نے اپنے افکار و خیالات کی اشاعت کے لیے 'البیان' نامی ایک ماہ نامہ جاری کیا اور 'اُمتِ مسلمہ' کے نام سے اپنے ہم فکر اصحاب کا ایک حلقہ تشکیل دیا۔

ان حضرات نے اس بات پر زور دیا کہ قرآن مکمل ہے' اس لیے اس کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں' یہاں تک کہ حدیث کی بھی نہیں۔ ان کے نزدیک پیغمبر کی حیثیت عام انسانوں کے مثل ہے' جس کی ذمہ داری بس یہ تھی کہ وہ اللہ کا کلام دوسرے انسانوں تک پہنچا دے' ورنہ اس کا فہم دوسرے انسانوں سے بڑھ کر نہیں' اس لیے وہ واجب الاتباع بھی نہیں ہے۔ اس کی اطاعت کے جو احکام قرآن میں مذکور ہیں وہ 'مرکزِ ملت' کی حیثیت سے ہیں نہ کہ رسول کی حیثیت سے۔ انہوں نے اسلام کا ایک ایسا لبرل تصور پیش کیا جس کے عقائد تمام مذاہب

کے ماننے والوں کے نزدیک تسلیم شدہ ہوں‘ جس کا نظامِ عبادات اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ ان کی ادائیگی کسی پر بار نہ ہو۔ ان کے نزدیک نماز‘ روزہ‘ حج‘ زکوٰۃ مستقل ارکانِ اسلام نہیں‘ بلکہ احوال وظروف کے مطابق ان میں تغیر و تبدّل ہوسکتا ہے۔ ان گمراہ کن خیالات کی تائید میں انہوں نے قرآنی آیات پیش کیں اور الفاظِ قرآنی سے کھلواڑ کرتے ہوئے انہیں حسبِ منشا معانی کا جامہ پہنایا۔ اس طرح قرآن کے نام پر اٹھنے والی اس تحریک نے حقیقی اسلام کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔(۱۰)

موجودہ دور میں رجوع الی القرآن کی کوششوں پر ایک اجمالی نظر

موجودہ دور میں اگرچہ مسلمانوں میں ایک معتد بہ تعداد ایسے لوگوں کی پائی جاتی ہے اور بعض دینی جماعتیں بھی ایسی موجود ہیں جن کی باتیں عام لوگوں کو قرآن سے قریب کرنے کے بجائے دور کرنے والی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عام مسلمانوں کے لیے قرآن کی محض تلاوت کر لینا کافی ہے‘ اسے سمجھنا ان کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے وہ دینی احکام وتعلیمات سے آگاہی کے لیے قرآن سے رجوع کرنے کے بجائے دوسری کتابوں اور علماء سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ لیکن مقامِ شکر ہے کہ انہی کے پہلو بہ پہلو اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے ایسی شخصیات بھی ظاہر ہوئی ہیں جنھوں نے اُمت کو قرآن کریم سے جوڑنے‘ اس کے اندر قرآنی فکر کو عام کرنے اور معاملاتِ زندگی اور اُمورِ دنیا میں اسے ہادی ورہنما بنانے پر آمادہ کرنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ اس کے لیے انہوں نے مختلف زبانوں میں قرآن کی تفسیریں لکھیں‘ قرآنی تعلیمات واحکام کو عام فہم انداز میں پیش کرنے کے لیے کتابیں تصنیف کیں‘ قرآن کے خلاف اٹھائے جانے والے شکوک وشبہات اور اعتراضات کے جوابات دیے‘ قرآن وسنت کو بنیاد بنا کر اسلامی عقائد وشعائر اور احکام کی توضیحات وتشریحات کیں‘ دروسِ قرآن کے حلقے قائم کیے۔ اس طرح قرآن سے مسلم عوام اور خواص دونوں کا گہرا ربط وتعلق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس موقع پر بھی چند نمایاں شخصیات کا خصوصی تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

موجودہ دور کی جن شخصیات نے اپنی فکر اور عمل میں قرآن کو مرکزی مقام دیا ان میں سرفہرست مولانا حمید الدین فراہیؒ (م ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء) کا نام گرامی آتا ہے۔ قرآن سے متعلق ان کی خدمات کی متنوّع جہات ہیں۔ اولاً انہوں نے اُمت کو قرآن سے جوڑنے کی کوشش کی۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی پستی‘ ذلّت ونکبت اور انتشار وافتراق کی بنیادی وجہ ان کی قرآن سے دُوری اور اس سے تعلق میں کمزوری ہے‘ اور اس کا ازالہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب انہیں اس کا صحیح فہم حاصل ہو اور وہ اپنے تمام معاملات کی تنظیم اسی کی روشنی میں کریں۔ ثانیاً انہوں نے قرآن کریم کو تمام علوم کا محور اور اساس قرار دیا اور اس کی روشنی میں ان کی تشکیل جدید کا عظیم منصوبہ تیار کیا۔ ثالثاً انہوں نے مروّجہ نظامِ تعلیم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور اس کے لیے ایسی پالیسی وضع کی جس میں قرآن کو اصل کا مقام دیا جائے اور دیگر علوم اس کے گرد گردش کریں۔ اس کے لیے انہوں نے مدرسۃ الاصلاح کو میدانِ عمل بنایا اور اپنی زندگی کے آخری دس گیارہ سال وہاں رہ کر اپنے تیار کردہ خاکے میں رنگ بھرتے رہے۔(۱۱)

ان کے بعد ان کے شاگردوں' بالخصوص مولانا امین احسن اصلاحیؒ (م ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء) نے ان کے ناتمام کاموں کی تکمیل کی اور ان کے افکار وافادات کی روشنی میں قرآن کی تفسیر لکھی جو 'تدبر قرآن' کے نام سے بے شمار لوگوں کا مرجع بنی ہوئی ہے۔ نیز مدرسۃ الاصلاح کے فارغین نے 'فکرِ فراہی' کی مشعل بلند کر رکھی ہے اور دنیا کے مختلف خطوں میں قرآن کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ ادارۂ علوم القرآن' جس کے زیر اہتمام یہ سیمینار منعقد ہو رہا ہے' بھی وابستگانِ مکتب فراہی کا ایک باوقار ادارہ ہے جو ربع صدی سے علوم قرآنی کی اشاعت کی قابل قدر خدمت انجام دے رہا ہے۔ (۱۲)

قرآنی فکر کو عام کرنے اور اُمت کا قرآن سے ربط وتعلق مضبوط کرنے کے سلسلہ میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ (م ۱۹۷۹ء) کی خدمات بھی زرّیں حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ ان کی شہرۂ آفاق تفسیر 'تفہیم القرآن' ایک انقلابی تفسیر ہے جو قاری کو حرکت وعمل پر آمادہ کر دیتی ہے۔ بلا مبالغہ اس نے لاکھوں انسانوں کی زندگیاں بدل دی ہے اور ان کو قرآن سے جوڑ دیا ہے۔ ان کی برپا کردہ تحریک جماعت اسلامی نے لوگوں میں قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کا رجحان پیدا کیا ہے۔ اس کے متعدد وابستگان کو قرآن کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہے۔ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ (م ۱۹۹۸ء) نے تیسیر القرآن کے نام سے تفسیر لکھی ہے (جو سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی تفسیر پر مشتمل ہے) اس کے علاوہ مولانا مودودیؒ کی تفہیم القرآن کی تلخیص کی بھی خدمت انجام دی ہے۔ مولانا شمس پیرزادہؒ نے دعوۃ القرآن کے نام سے تین جلدوں میں ایک تفسیر لکھی ہے جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ مولانا محمد فاروق خاں نے قرآن کا اردو میں ترجمہ کرنے کے علاوہ ہندی میں کئی ترجمے کیے ہیں۔ مولانا محمد سلیمان قاسمی نے دروس القرآن کے نام سے سات جلدوں میں ایک عام فہم تفسیر لکھی ہے۔ جماعت اسلامی پاکستان کے رہنماؤں میں قرآنی فکر کو عام کرنے کے حوالے سے ایک قابل ذکر نام انجینئر خرم مراد (م ۱۹۹۶ء) کا ہے۔

رجوع الی القرآن کی دعوت کے سلسلے میں موجودہ دور کی ایک نمایاں شخصیت ڈاکٹر اسرار احمد' پاکستان (۱۹۳۲ء۔۲۰۱۰ء) کی ہے۔ انہوں نے اپنے خطبات ومواعظ اور رسائل وتصنیفات کے ذریعہ قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کی طویل جدوجہد کی ہے۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' مجلّہ حکمت قرآن' قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج آپ کی خدمات کے چند عناوین ہیں۔ ترجمۂ قرآن کریم سمر کیمپ' رجوع الی القرآن کورس' دورۂ ترجمۂ قرآن اور دیگر سرگرمیوں کے ذریعے وہ برابر قرآنی تعلیمات کی اشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ (۱۳)

قرآن کریم سے استفادہ عام کرنے کے معاملے میں دیگر علماء کی بھی قابل قدر خدمات ہیں۔ اس سلسلے میں بیسویں صدی عیسوی میں اردو زبان میں اور دیگر زبانوں میں بھی بہت سی تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ اردو تفسیروں میں مولانا ابوالکلام آزادؒ (م ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) کی تفسیر ترجمان القرآن' مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) کی تفسیر بیان القرآن' مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (م ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء) کی تفسیر عثمانی' مولانا عبدالماجد دریابادیؒ (م ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۷ء) کی تفسیر ماجدی' مولانا مفتی محمد شفیعؒ (م ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) کی تفسیر معارف القرآن' مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (م ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) کی تفسیر ثنائی' پیر کرم شاہ الازہریؒ کی تفسیر ضیاء القرآن

اور مولانا وحید الدین خان (پ ۱۹۲۵ء) کی تفسیر تذکیر القرآن سے بڑے پیمانہ پر استفادہ کیا جارہا ہے۔(۱۴)
جن علماء نے قرآن کی تفسیر تو نہیں لکھی، لیکن ان کی تصنیفات میں قرآنی آیات کے کثرت سے حوالے ملتے ہیں اور ان سے رجوع الی القرآن کی راہ ہموار ہوئی ہے ان میں علامہ سید سلیمان ندویؒ (م ۱۹۵۳ء) اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (م ۱۹۹۹ء) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ (۱۵)

رجوع الی القرآن کے بعض داعیوں میں فکری انحرافات

یہ بات خوش آئند ہے کہ آج مختلف حلقوں سے رجوع الی القرآن کی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ اس کی عظمت اور مقام و مرتبہ کی یاددہانی کے ساتھ مسلمانوں پر اس کے حقوق اور اس کے سلسلے میں ان کی ذمہ داریاں یاد دلائی جارہی ہیں۔ اسے سمجھ کر پڑھنے، اس کی تعلیمات کو زندگیوں میں نافذ کرنے اور ان کے مطابق اپنے معاملات و مسائل حل کرنے پر زور دیا جارہا ہے۔ اور مسلمانوں میں یہ شعور عام ہو رہا ہے کہ قرآن سے اپنا تعلق مضبوط کر کے اور اسے اپنا ہادی و رہنما بنا کر ہی وہ دنیاوی ترقی اور اُخروی فلاح سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔

اس خوش آئند پہلو کے ساتھ تشویش کے بھی بعض پہلو ہیں۔ وہ یہ کہ رجوع الی القرآن کے بعض داعیوں کے افکار میں بسا اوقات انحرافات کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ جو نتائج تحقیق پیش کرتے ہیں اور اپنی تائید میں قرآن سے جو دلائل لاتے ہیں وہ اسلام کی بنیادی اقدار اور قرآن کی حقیقی تعلیمات سے میل نہیں کھاتے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ جس طرح ماضی بعید و قریب میں قرآن کے نام پر اٹھنے والے فرقے اور تحریکیں گمراہی کا شکار تھیں، ان کے افکار و خیالات قرآن کی حقیقی تعلیمات سے کوسوں دور تھے، اسی طرح موجودہ دور کے منحرفین بھی قرآن کے نام پر جو افکار و خیالات پیش کر رہے ہیں ان کا اسلام سے دور کا بھی علاقہ نہیں ہے۔ منحرفین کی یہ آوازیں اگرچہ ابھی کمزور ہیں، ان کی کوئی مضبوط اجتماعیت بھی نہیں ہے، لیکن اندیشہ ہے کہ اگر ان پر گرفت نہ لگائی گئی تو ان کی لے بڑھتی جائے گی اور ان سے اسلام کو بہت زیادہ نقصان ہوگا۔

منحرفین کا طریقِ واردات

یہ منحرفین کون ہیں؟ ان کے نام کیا ہیں؟ ان کی تعداد کتنی ہے؟ ان کی کوئی فہرست مرتب کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ ان کی جو بھی فہرست مرتّب کی جائے گی وہ نامکمل ہوگی اور متنازعہ بھی۔ اس لیے ان کے ناموں کا ذکر کرنے کے بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجمال و اختصار کے ساتھ ان کے افکار سے بحث کی جائے اور واضح کیا جائے کہ ان کا طریقۂ واردات کیا ہے، ان کے استدلال کی نوعیتیں کیا ہیں، اور کس کس طرح وہ بظاہر قرآن کا نام لے کر گمراہی کی سوداگری کر رہے ہیں۔

(۱) ایک آیت سے استدلال، دیگر آیات سے صرفِ نظر

قرآن کا ایک وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ تذکیر و یاددہانی کے مقصد سے اس میں مضامین کی تکرار پائی جاتی ہے۔ ﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا ﴾ (الزمر: ۲۳) کسی ایک جگہ ایک پہلو سے وضاحت ہوتی ہے تو دیگر مقامات پر دوسرے پہلو زیر بحث آتے ہیں۔ تمام مقامات پیش نظر رکھنے سے تمام پہلو کھل کر سامنے

آ جاتے ہیں اور معانی کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ حضرات ایسا نہیں کرتے۔ یہ اپنے مدّعا پر کسی ایک آیت سے استدلال کرتے ہیں اور دوسری متعلقہ آیات سے صرفِ نظر کر جاتے ہیں۔ اس طرح وہ بسا اوقات کوئی ایسی بات ثابت کرنے کی جی توڑ کوشش کرتے ہیں جو قرآن کی پوری دعوت پر خطِ نسخ کھینچ دیتی ہے۔ اس موقع پر صرف ایک مثال پیشِ خدمت ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝﴾

''یقین جانو کہ (نبی عربی کو) ماننے والے ہوں یا یہودی' عیسائی ہوں یا صابی' جو بھی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے' اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔''

یہی مضمون سورۃ المائدۃ' آیت ۶۹ میں بھی مذکور ہے۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض حضرات کہتے ہیں کہ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے لیے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں' وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں تو یہ ان کی نجات کے لیے کافی ہے' اس لیے کہ اس آیت میں نجات کے لیے ایمان بالرسالۃ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔(۱۶)

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ایمانیات کی کوئی فہرست نہیں پیش کی گئی ہے۔ سورۃ البقرۃ اور سورۃ المائدۃ دونوں جگہ یہود سے خطاب کے ضمن میں یہ آیت آئی ہے' اس سے ان کے اس زعم باطل کی تردید مقصود ہے کہ نجات پر ان کی اجارہ داری ہے۔ سورۃ البقرۃ میں مولانا امین احسن اصلاحی نے بہت اچھی طرح اس آیت سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اس زمانہ کے بعض متکلمین اور منکرینِ سنت اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو اہل کتاب اپنے اپنے صحیفوں کی تعلیمات پر نیک نیتی کے ساتھ عمل کر رہے ہیں' قرآن مجید ان کی نجات کے لیے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں ٹھہراتا۔''

آگے انہوں نے متعدد نکات کی شکل میں اس کا رد کیا ہے:

''ایک یہ کہ یہ آیت اس سورہ میں وارد ہے جس کا عمود ہی رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید پر ایمان لانے کی دعوت ہے۔ دوسرے یہ کہ سورۃ المائدۃ میں جہاں یہ آیت ہے اس سے متصلاً اوپر کی آیت میں قرآن مجید پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید میں اس بات کی تصریح ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت کے بعد سے اہلِ کتاب میں سے خدا کی رحمت میں سے وہی اہلِ کتاب حصہ پائیں گے جو آں حضرت ﷺ پر ایمان لائیں گے۔ چوتھی یہ کہ قرآن مجید میں اس بات کی بھی تصریح ہے کہ آں حضرت ﷺ کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کے لیے ہوئی ہے اور آپ ﷺ نے تمام خلق کو عموماً اور اہل کتاب کو خصوصاً اپنی نبوت پر ایمان لانے کی نہایت غیر مبہم الفاظ میں دعوت بھی دی ہے۔''

آخر میں خلاصہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نجات کے لیے جس طرح دوسروں کے لیے نبی ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اہل کتاب کے لیے بھی ضروری ہے...اس معاملے میں قرآن مجید نے اچھے اہل کتاب اور بُرے اہل کتاب میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ جہاں تک نجات کا تعلق ہے دونوں ہی قسم کے اہل کتاب کی نجات کے لیے آں حضرت ﷺ اور قرآن مجید پر ایمان لانا ضروری ہے......آں حضرت ﷺ کی بعثت کے بعد دنیا کے لیے صراطِ مستقیم پانے اور نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اگر کوئی ہے تو یہی ہے کہ آں حضرت ﷺ پر ایمان لایا جائے اور آپ کی پیروی کی جائے۔ اس کے سوا نجات حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔'' (۱۷)

(۲) الفاظِ قرآنی کی بے جا تاویل

آیاتِ قرآنی سے حسبِ خواہش معانی کے استنباط و استخراج کے لیے یہ حضرات قرآنی الفاظ و اصطلاحات کی من مانی اور بے جا تاویلیں کرتے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں حقیقت کو مجاز سے اور انشاء کو خبر سے بدل دیتے ہیں۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ سیاق و سباق سے ان کے مستنبط معانی کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ ان کے 'مراد لینے' کا دائرہ اتنا وسیع ہوتا ہے کہ جس لفظ سے جو چاہیں مراد لے لیں' خواہ عربی زبان و لغت' کلامِ عرب اور قرآنی استقراء سے اس کی تائید ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(الف) قرآن کریم میں دو مقامات پر نبی کریم ﷺ کی ایک صفت 'اُمّی' آئی ہے۔

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ (الاعراف:۱۵۷)

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ﴾ (الاعراف:۱۵۸)

'اُمّی' مدرسی و کتابی تعلیم و تعلّم سے ناآشنا کو کہتے ہیں۔ (۱۸)

بعض حضرات اس معنی میں اس صفت کو نبی ﷺ کے لیے عار سمجھتے ہیں' چنانچہ وہ اس کی تاویل کرتے ہیں اور مختلف حوالوں سے آں حضرت ﷺ کو پڑھا لکھا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (۱۹) حالانکہ حضور ﷺ کے پڑھنا لکھنا نہ جاننے کی صراحت قرآن میں موجود ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝﴾ (العنکبوت)

''(اے نبیؐ) اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔''

شہید مرتضٰی مطہری نے اس نقطۂ نظر کے رد میں بڑی عمدہ تحقیقی بحث کی ہے۔ (۲۰)

(ب) یہود کے جرائم میں ان کا ایک جرم قرآن نے 'قتلِ انبیاء' بھی بیان کیا ہے:

﴿فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝﴾ (البقرة)

﴿قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِیَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ﴾ (البقرة:۹۱)

بعض حضرات یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں مخالفت اور لڑائی کرنا' یہاں جان سے مار دینے کا

معنی مراد نہیں ہے۔ اس کی دلیل میں وہ اس قسم کی آیتیں پیش کرتے ہیں۔

﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾ (المجادلة)

''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہو کر رہیں گے فی الواقع اللہ زبردست اور زور آور ہے۔''

وہ کہتے ہیں کہ ''اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ مغلوب ہوسکتا ہے تو اس کے رسول بھی مغلوب ہوسکتے ہیں' اور اگر اللہ تعالیٰ مقتول ہوسکتا ہے تو اس کے رسول بھی مقتول ہوسکتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ مغلوب و مقتول نہیں ہوسکتا اس لیے اس کے رسول بھی ہرگز مغلوب و مقتول نہیں ہوسکتے''۔(۲۱)

یہود کے جرم 'قتلِ انبیاء' پر خود ان کی تاریخ شاہد ہے۔ بائبل کے متعدد بیانات میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اس بنا پر اس قرآنی بیان کی تاویل کرنا درحقیقت اسے اس کے حقیقی معنی سے پھیرنا ہے۔☆

(ج) سورۃ التکویر کی ابتدائی آیات میں وقوعِ قیامت سے قبل اور بعد کے ہولناک احوال بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں ایک آیت ہے: ﴿وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴾ اس کا مطلب ہے کہ قیامت میں لوگوں کے (عقائد و اعمال کے لحاظ سے) الگ الگ گروہ بنا دیے جائیں گے [اسی کو سورۃ الواقعۃ میں ﴿وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے] اس کے آگے ایک اور آیت ہے ﴿وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴾ صحف سے مراد لوگوں کے نامۂ اعمال ہیں اور ان کے کھولے جانے سے مقصود یہ ہے کہ ہر ایک کا سارا کچا چٹھا اس کے سامنے آجائے گا۔ آگے فرمایا: ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴾ (یعنی ہر جان یہ جان لے گی کہ آج کے دن کے لیے اُس نے کیا کیا ہے)۔(۲۲)

لیکن بعض حضرات سیاق و سباق سے آزاد ہو کر ان آیات میں سائبر اسپیس (Cyber Space) کا اشارہ پاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ''وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ'' سے مراد موجودہ دور کا وہ virtual world ہے جہاں کروڑ ہا کروڑ نفوس ایک دوسرے سے بحث و مباحثہ اور باہمی استفادے میں مشغول ہیں اور ''وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ'' کا مطلب ہے ''جب صحیفوں کی نشر و اشاعت کی کثرت ہوگی''۔ ان کے نزدیک آج ''اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ'' کا غلغلہ ہر طرف بلند ہے۔ واشنگٹن کے پُرآسائش سوٹ میں بیٹھنے والا انسان ہو یا افغانستان کے نامعلوم پہاڑی سلسلوں میں بسنے والا انسان' انٹرنیٹ کی دنیا میں دونوں برابر کے شریک ہیں''۔(۲۳)

یہ ایک نکتہ تو ہوسکتا ہے لیکن قرآن کا سیاق و سباق اسے قبول کرنے سے اِبا کرتا ہے۔ اس مفہوم کو قرآن کے ساتھ کھلواڑ ہی کہا جاسکتا ہے۔

(۳) نئی بات کہنے کا خبط

بعض حضرات کی نادر قرآنی تحقیقات پڑھ کر دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ شاید انہیں کوئی نئی بات کہنے کا خبط ہوگیا ہے۔ وہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ آیاتِ قرآنی کے حوالے سے کوئی ایسا نکتہ پیدا کردیں یا کوئی ایسی بات کہہ دیں جو آج تک کسی نے نہ کہی ہو' تاکہ ان کا شمار بھی نکتہ رس اور نکتہ داں محققین میں ہونے

☆ان حضرات کی غلط تاویلات کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ یہ رسول اور نبی میں فرق نہیں کرتے۔ (حکمت قرآن)

لگے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(ا) ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے پوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری کے ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی دی کہ حضرت اسحاقؑ سے حضرت یعقوبؑ پیدا ہوں گے۔ اسے بھی حضرت اسحاقؑ کے 'عدم ذبح' ہونے کی ایک دلیل شمار کیا گیا ہے۔ (٢٤)

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کا تذکرہ ایک ساتھ ہوا ہے۔ مثلاً:

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ (الانعام:٨٤،مریم:٤٩)

﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ (ھود)

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً﴾ (الانبیاء:٧٢)

قرآن کے اس اندازِ بیان سے بعض حضرات نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ ''حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے نہیں بلکہ بیٹے ہیں' کیونکہ قرآن حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ دونوں کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیے جانے کا تذکرہ کرتا ہے''۔ (٢٥)

ان حضرات کو شاید نہیں معلوم کہ عربی زبان میں' اور عربی ہی کیا دنیا کی ہر زبان میں' پوتے کی نسبت دادا کی طرف کر دینے کا اسلوب رائج ہے۔ کتبِ سیرت و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ حنین (٩ھ) کے موقع پر جب مسلم فوج میں بھگدڑ مچ گئی تھی' اللہ کے رسول ﷺ نے ((اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ)) کا نعرہ لگایا تھا۔ (٢٦)

اور ایک موقع پر اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا:

((اِنَّ ابْنِی هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ)) (٢٧)

''میرا یہ بیٹا سردار ہے' امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کروائے گا۔''

عربی زبان میں 'اَبٌ' کے معنی باپ کے ہیں' لیکن جب اس کی تثنیہ (اَبَوَانِ) یا (آبَاء) استعمال ہوتی ہے تو باپ کے ساتھ دادا' پردادا وغیرہ بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں' جیسا کہ درج ذیل آیات میں ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام سے یوں خطاب کیا تھا:

﴿وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ﴾ (یوسف:٦)

اسی طرح انہوں نے اپنی وفات کے وقت جب اپنے بیٹوں سے دریافت کیا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا:

﴿نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ (البقرة:١٣٣)

اور حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

﴿اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ﴾ (یوسف: ۳۷-۳۸)

(ب) رسول اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی کل تعداد گیارہ بتائی جاتی ہے' ان میں سے نو آپ کی وفات کے وقت موجود تھیں۔ لیکن بعض حضرات نے یہ تحقیق پیش کی ہے کہ ''زیادہ سے زیادہ چار نکاح کرنے کا جو حکم قرآن میں عام مسلمانوں کے لیے ہے وہی رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی تھا۔ چنانچہ آپؐ کے نکاح میں کبھی چار سے زیادہ خواتین نہیں رہی ہیں''۔ یہ حضرات ازواجِ مطہرات کی تعداد چار سے زائد بتانے والی روایات کو منافقین و مخالفین کی تراشیدہ قرار دیتے ہیں۔ (۲۸)

حالانکہ تعدّدِ ازواج کے عام حکم سے رسول اللہ ﷺ کے مستثنیٰ ہونے کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ سورۃ النساء' جس میں مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی گئی ہے' ۳ھ میں نازل ہوئی تھی۔ اُس وقت آں حضرت ﷺ کے گھر میں بھی چار ازواجِ مطہرات (حضرت سودہ' حضرت عائشہ' حضرت حفصہ اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہن) تھیں۔ (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا) لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا۔ چنانچہ آپؐ نے جب پانچویں خاتون (حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا تو اس موقع پر قرآن نے صراحت کر دی کہ تعدّدِ ازواج کی مذکورہ تحدید سے آپ ﷺ مستثنیٰ ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ لِكَیْلَا یَكُوْنَ عَلَیْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝﴾ (الاحزاب)

''اے نبی! ہم نے تمہارے لیے حلال کر دیں تمہاری وہ بیویاں جن کے مہر تم نے ادا کیے ہیں' اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے تمھاری ملکیت میں آئیں' اور تمھاری وہ چچازاد' پھوپھی زاد' ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنہوں نے تمھارے ساتھ ہجرت کی ہے' اور وہ مؤمن عورت جس نے اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کیا ہو' اگر نبی اسے نکاح میں لینا چاہے۔ یہ رعایت خالصۃً تمھارے لیے ہے' دوسرے مومنوں کے لیے نہیں ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ عام مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں ہم نے کیا حدود عائد کیے ہیں (تمھیں ان حدود سے ہم نے اس لیے مستثنیٰ کیا ہے) تاکہ تمھارے اوپر کوئی تنگی نہ رہے' اور اللہ غفور و رحیم ہے۔'' (۲۹)

(۴) احادیث کا انکار و استخفاف

دین کی دو بنیادیں ہیں: ایک قرآن اور دوسری سنت۔ رسول اللہ ﷺ کا فریضۂ منصبی جہاں یہ تھا کہ لوگوں

تک قرآن پہنچائیں وہیں آپؐ کی ذمہ داری یہ بھی تھی کہ اس کی تبیین وتشریح فرمائیں:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل:٤٤)

''اور ہم نے یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے۔''

سنت کا علم احادیث سے ہوتا ہے۔ محدثین کرامؒ نے احادیث کی حفاظت میں غیر معمولی جدّ وجہد کی ہے اور صحیح احادیث کو ضعیف اور موضوع روایات سے الگ کر دیا ہے۔ دین کی تعبیر وتشریح میں قرآن اور حدیث دونوں سے استفادہ ضروری ہے' مگر ان کے معاملے میں افراط وتفریط کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ جہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو عام لوگوں کو قرآن سے براہ راست فیض اٹھانے سے روکتے ہیں اور ان کے درمیان ضعیف و موضوع روایات اور بزرگوں کے کشف وکرامات کے جھوٹے سچے قصوں کو رواج دیتے ہیں' وہیں کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جو فہم دین کے معاملے میں صرف قرآن کو بنیاد بناتے اور احادیث سے مطلق اعراض کرتے ہیں۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رویّہ کا مظاہرہ عہدِ نبویؐ ہی میں ہونے لگا تھا۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کے درمیان مال تقسیم کیا۔ ایک شخص نے (جسے آپؐ نے کچھ نہیں دیا تھا یا کم دیا تھا) کہا: اے اللہ کے رسولؐ' اللہ سے ڈریے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور کون ہوگا؟'' (دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا تھا: اے اللہ کے رسول' انصاف سے کام لیجیے۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟ میں انصاف نہیں کروں گا تو بڑے خسارے میں رہوں گا!) اس کی اس حرکت پر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم طیش میں آ گئے' مگر آپ ﷺ نے انہیں ٹھنڈا کیا اور فرمایا:

((اِنَّهٗ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمٌ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ رَطْبًا لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ' يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ)) (۳۰)

''اس شخص کی طرح سوچنے والے کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جن کی زبانیں کتاب اللہ کی تلاوت سے تر رہیں گی' لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گی۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔''

اس حدیث کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ اطاعتِ رسولؐ سے انکار کا رویہ دیکھ کر آپؐ نے ان لوگوں کی پیشین گوئی کی تھی جن کی زبانیں تو آیاتِ قرآنی سے تر رہیں گی' لیکن احادیثِ رسولؐ کے انکار کی وجہ سے وہ بے دینی کی باتیں کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے دور میں اس کا مصداق خوارج کو قرار دیا تھا جو قرآن سے اپنے گہرے تعلق کا اظہار' لیکن احادیثِ نبویؐ کا انکار کرتے تھے۔ یہی بات موجودہ دور کے بعض داعیانِ قرآن پر بھی صادق آتی ہے۔ وہ قرآن کی عظمت کا دم بھرتے ہیں' اسے مسلمانوں کی ترقی اور اصلاح کی بنیاد قرار دے کر انہیں اس کی طرف رجوع ہونے کی دعوت دیتے ہیں' اس میں انسانیت کی موجودہ مشکلات کا حل بتاتے ہیں' لیکن احادیثِ نبویؐ کے بارے میں ان کا رویّہ صحیح نہیں ہے۔ ان میں سے بعض حضرات احادیث کو مانتے اور ان سے استدلال کرتے ہیں' لیکن عملاً ان کا رویّہ منکرین جیسا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ قرآن سے کسی مفہوم کا استنباط

کرتے ہیں اور اپنے اخذ کردہ مفہوم کو نصِ قرآن کا درجہ دے دیتے ہیں۔ پھر اگر کچھ احادیث اس مفہوم سے ٹکراتی ہیں تو انہیں نصِ قرآن سے متعارض کہہ کر رد کر دیتے ہیں اور یہ سوچنے کی زحمت نہیں کرتے کہ ممکن ہے ان کا استنباط غلط ہو اور صحیح مفہوم وہ ہو جو احادیث کی روشنی میں واضح ہو رہا ہے۔ بعض حضرات احادیث کی حجیّت ہی سے انکار کرتے ہیں' ان کے نزدیک احادیث کی حیثیت محض 'تاریخی سرمایہ' کی ہے جس پر دین کی تعبیر و تشریح کے معاملے میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ بعض حضرات اس سے آگے بڑھ کر پورے ذخیرۂ احادیث کو قرآن کے لیے 'حجاب' قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے قرآن کی حقیقی تعلیمات مستور ہو گئی ہیں۔

(۵) قرآن میں صریح حکم کی تلاش

احادیث کے انکار یا اعراض کے نتیجے میں یہ حضرات ہر مسئلہ میں قرآن میں اس کے صریح حکم کے متلاشی رہتے ہیں۔ اگر صریح الفاظ میں کوئی ممانعت نہیں پاتے' یا ان کی سمجھ میں نہیں آتا تو بے خطر اس کے جواز کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

(ا) کیا ایک مسلمان لڑکی کسی ہندو لڑکے سے شادی کر سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب بعض حضرات کی طرف سے یہ دیا گیا ہے:

> ''ایک مسلمان لڑکی کے ایک غیر مسلم لڑکے سے شادی کرنے کا براہِ راست ذکر' سوائے مشرک مردوں کے' قرآن مجید میں مثبت یا منفی' کسی پہلو سے موجود نہیں ہے۔ یعنی اسلامی شریعت میں یہ واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا کہ ان کی شادی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ لہٰذا ... غیر مسلم کے ساتھ شادی کو ممنوع یا حرام قرار نہیں دیا جا سکتا'' (۳۲)

ان حضرات کو قرآن میں واضح حکم نہیں ملا۔ جب کہ سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۱ میں صراحت کے ساتھ مسلمان مَردوں کے لیے مشرک عورتوں سے اور مسلمانوں عورتوں کے لیے مشرک مردوں سے نکاح ممنوع قرار دیا گیا ہے: ﴿وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ﴾ ... ﴿وَلَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا﴾

(ب) کچھ عرصہ قبل ایک واقعہ کے نتیجے میں یہ سوال اٹھا کہ کیا کوئی عورت مردوں اور عورتوں کی مشترکہ جماعت کی امامت کر سکتی ہے؟ بعض حضرات نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور آیت ﴿اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ﴾ (الحجرات:۱۳) اور دیگر آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ ''جو شخص بھی علم و تقویٰ میں بڑھا ہوا ہو وہ قرآن کی رو سے اس کا اہل ہے' خواہ وہ مرد ہو یا عورت''۔ (۳۳)

حالانکہ قرآن و حدیث میں مسلمان خواتین کے جو حدود کار متعین کیے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مردوں کی جماعت کی امامت نہیں کر سکتیں' اور یہ ان کی حق تلفی نہیں ہے۔ اسی بنا پر عہد نبوی ﷺ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور تابعین کے درمیان بھی کبھی کسی صحابیہ نے امامت نہیں کی۔

سطور بالا میں منحرفین کے طریق واردات کی صرف چند صورتیں بیان کی گئی ہیں اور ہر ایک کی صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس طرح کی مثالیں بے شمار ہیں حتیٰ کہ ان کے لیے دفتر کے دفتر ناکافی ہیں۔

تدارک کی بعض صورتیں

آیاتِ قرآنی کی تفسیر و تاویل میں اگر درج ذیل امور کو پیش نظر رکھا جائے تو انحرافات سے بڑی حد تک بچا جا سکتا ہے:

(۱) قرآن میں کسی جگہ سے ایک آیت لے کر اس سے کوئی ایسا حکم مستنبط نہ کیا جائے جو اس کی دیگر آیتوں سے ٹکراتا ہو' بلکہ مجموعی تعلیماتِ قرآنی کو پیش نظر رکھا جائے۔

(۲) کسی آیت سے وہی معنی مستنبط کیا جائے جو سیاق و سباق سے مطابقت رکھتا ہو۔ سیاق و سباق سے کاٹ کر کسی آیت کو نئے معنی پہنانا درست نہیں۔

(۳) الفاظ قرآنی کے وہی معانی مراد لیے جائیں جو عربی زبان و قواعد اور استعمالات سے مطابقت رکھتے ہوں۔ جہاں تک ممکن ہو ان کے حقیقی معانی مراد لیے جائیں' بلا شدید ضرورت مجازی معانی سے احتراز کیا جائے۔

(۴) فہمِ قرآن میں علمائے سلف کی کاوشوں سے استفادہ کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو' کوئی ایسی بات کہنے سے اجتناب کیا جائے جو ان کے اجماع کے خلاف ہو۔

(۵) یہ ملحوظ رہے کہ قرآن کا نزول انسانوں کی ہدایت کے لیے ہوا ہے' اس لیے اس سے ایسی باتوں کا استنباط نہ کیا جائے کہ وہ جدید سائنس' ٹیکنالوجی یا مروّجہ عصری علوم کی کوئی درسی کتاب معلوم ہونے لگے۔

(۶) قرآن سے ایسے معانی کا استنباط نہ کیا جائے جو صحیح احادیث سے ٹکراتے ہوں۔ ضروری ہے کہ کسی حدیث کی جانچ پرکھ محدثانہ اصولوں پر کی جائے' محض اس بنا پر اسے رد نہ کر دیا جائے کہ وہ ہمارے استنباطِ قرآن کے خلاف ہے۔ ہمارا استنباط مبنی بر حقیقت بھی ہو سکتا ہے اور تکلّف محض بھی۔ اگر کوئی حدیث ہمارے استنباطِ قرآن کے خلاف ہے تو حدیث کو رد کرنے کے بجائے اپنے استنباط کا بار بار جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

حرفِ آخر

موجودہ دور میں قرآن کی تفسیر و تاویل میں پائے جانے والے انحرافات کا جو جائزہ سطورِ بالا میں لیا گیا ہے اس کا مقصد نہ کسی کی تکفیر و تضلیل ہے نہ دل آزاری' بلکہ اس کے ذریعے انحرافات کی بعض صورتوں کی نشان دہی کر کے تدبر قرآن کے صحیح منہج کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب ؓ سے کسی نے خوارج کے بارے میں دریافت کیا: کیا وہ کافر ہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا: ''انہوں نے تو کفر سے راہِ فرار اختیار کی ہے''۔ اس نے پھر پوچھا: تو کیا وہ منافق ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: ''منافقین اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں' جب کہ یہ لوگ تو صبح و شام ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں''۔ پوچھنے والے کا اگلا سوال تھا: پھر یہ لوگ کیا ہیں؟ فرمایا: (**انهم قوم أصابتهم فتنة فعموا و صمّوا**)[۳۴] ''یہ ایسے لوگ ہیں جو فتنہ میں مبتلا ہیں' اس بنا پر اندھے بہرے ہو گئے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کے شرور سے محفوظ رکھے اور صحیح قرآنی فکر کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حواشی ومراجع

(۱) صحیح مسلم'کتاب صلاۃ المسافرین'باب فضل من یقوم بالقرآن و یعلّمہ'حدیث نمبر:۸۱۷۔

(۲) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی' تاریخ دعوت و عزیمت' مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ' جلد دوم' طبع ۱۳'۲۰۰۸ء' ص ۳۱۵-۳۱۶۔

(۳) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی' تاریخ دعوت و عزیمت' مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ' جلد پنجم' طبع ۱۳' ۲۰۰۸ء' ص ۱۴۵-۱۵۰(بتلخیص)۔

(٤) خوارج کے ذیلی فرقوں میں ازارقۃ' صُفریہ' اباضیہ' بیہسیہ' نجدات' عجاردہ۔شیعہ کے ذیلی فرقوں میں علویہ' امامیہ (اثناعشریہ)' زیدیہ' اسماعیلیہ(باطنیہ) باقریہ' جعفریہ۔معتزلہ کے ذیلی فرقوں میں واصلیہ' ہذیلیہ' نظامیہ' حائطیہ' بشریہ' معمریہ' مزداریہ' ثمامیہ' جاحظیہ' خیاطیہ' جبائیہ' ہاشمیہ'ان کے علاوہ دیگر فرقوں میں مرجئہ' غیلانیہ' جہمیہ' جبریہ' قدریہ' نجاریہ' کرامیہ' صفاتیہ اور مشبّہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ان فرقوں کے عقائد و نظریات اور بنیادی افکار کے لیے ملاحظہ کیجیے: الملل والنحل للشہرستانی' مکتبۃ خیّاط بیروت' سنہ طبع ندارد' الفصل فی الملل والاھواء والنحل' ابن حزم الاندلسی' برحاشیہ الملل والنحل للشہرستانی' اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ' دانش گاہ پنجاب لاہور' جلد ۱۵' مقالہ' فرقہ'۔

(٥) معتزلہ' شیعہ اور صوفیہ کی ان تفاسیر کے تعارف اور ان میں آیات قرآنی کی دور از کار تاویلات کی مثالوں کے لیے ملاحظہ کیجیے: غلام احمد حریری' تاریخ تفسیر و مفسرین' تاج کمپنی دہلی' ۱۹۹۴ء۔

(٦) عمر ابوالنصر'الخوارج فی الاسلام'مکتبۃ المعارف بیروت'۱۹۴۹ء'ص۱۰۲۔

(۷) یولیوس ولہوزن'الخوارج والشیعۃ' جرمنی سے عربی ترجمہ: عبدالرحمٰن بدوی'مکتبۃ النہضۃ المصریۃ' مصر' ۱۹۵۸ء' ص ۲۲۔

(۸) عمر ابوالنصر' حوالہ سابق' ص ۴۳۔

(۹) صحیح البخاری'کتاب فضائل القرآن'باب اثم من راء ی بقراءۃ القرآن......حدیث :۵۰۵۸۔

(۱۰) اہل قرآن کے افکار و خیالات اور ان کی طرف سے آیات قرآنی کی من مانی تاویلات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: افتخار احمد بلخی' فتنۂ انکار حدیث کا منظر و پس منظر' مکتبہ چراغ راہ کراچی' سنہ طبع غیر مذکور' ۳ جلدیں۔

(۱۱) مولانا فراہی کی قرآنی خدمات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے مجموعۂ مقالات فراہی سیمینار بہ عنوان' علامہ حمید الدین فراہی۔ حیات و افکار' طبع سرائے میر اعظم گڑھ' ۱۹۹۲ء' بالخصوص خطبہ استقبالیہ از پروفیسر اشتیاق احمد ظلی' ص ۷۔۲۰۔اور مقالہ' امام فراہی اور علم تفسیر۔ پانچ امتیازی خصوصیات' از مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی' ص ۹۷-۱۲۳۔

(۱۲) ادارۂ علوم القرآن کی خدمات کے تعارف کے لیے ملاحظہ کیجیے مقالہ ''ادارہ و مجلّہ علوم القرآن اور قرآنی علوم کی اشاعت از پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی' شائع شدہ در خصوصی اشاعت' قرآنی علوم بیسویں صدی میں' مجلّہ علوم القرآن' جنوری ۲۰۰۴ء- دسمبر ۲۰۰۵ء۔

(۱۳) ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی قرآنی خدمات کے لیے ملاحظہ کیجیے: شگفتہ احمد' تحقیقی مقالہ بہ عنوان: Dr Israr Ahmad's Political Thoughts and Activities مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۱۹۹۶ء' نیز ڈاکٹر اسرار احمد کی یہ تصانیف: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر' تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر' تعارف

تنظیم اسلامی، شائع کردہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔

(۱۴) مذکورہ مفسرین اور ان کی تفاسیر کے تعارف اور بیسویں صدی میں قرآنی خدمات کے لیے ملاحظہ کیجیے: ڈاکٹر سید شاہد علی، اردو تفاسیر بیسویں صدی میں، کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۰۱ء۔

(۱۵) علامہ سید سلیمان ندوی کی قرآنی خدمات کے لیے ملاحظہ کیجیے: مجموعۂ مقالات علامہ سید سلیمان ندوی، سیمینار بہ عنوان 'افکارِ سلیمانی' ندوۃ التالیف والترجمۃ، جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ، سنہ طبع غیر مذکور، میں مولانا عبداللہ عباس ندوی، مولانا ضیاء الدین اصلاحی، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی اور راقم سطور کے مقالہ جات اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی خدمات کے لیے ملاحظہ کیجیے راقم سطور کا مقالہ ''مولانا ابوالحسن علی ندوی کی قرآن فہمی' شائع شدہ مجموعہ مقالات سمینار' بعنوان' مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ افکار و آثار' مرتب ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی' الہدایہ اسلامک ریسرچ سینٹر جے پور، ۲۰۰۰ء۔

(۱۶) ڈاکٹر محمد احمد، مقالہ 'دین ابراہیمی کا احیاء: نبی آخر کا اولین مشن' شائع شدہ در ماہ نامہ زندگی نو، نئی دہلی' نومبر ۲۰۰۷ء، ص ۱۱-۱۲۔

(۱۷) مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء، جلد اول، ص ۲۳۱-۲۳۶' (بتلخیص) پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی نے بھی اپنے اس مضمون میں اس سے بحث کی ہے۔ ملاحظہ کیجیے عصر حاضر میں اسوۂ رسول کی معنویت، فیکلٹی دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۸ء، مقالہ بہ عنوان ''راہ نجات رسول اکرم ﷺ پر نجات ہے''۔ (ص ۱۵۰-۱۶۶)۔

(۱۸) تدبر قرآن' ۲/۵۳۔

(۱۹) راشد شاز' ادراک زوال اُمت، ملی پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص ۱۶۵-۱۶۷' سکندر احمد کمال' ناموس رسول' طبع علی گڑھ، ۲۰۰۲ء، ص ۶۹-۷۳۔

(۲۰) ملاحظہ کیجیے: شہید مرتضیٰ مطہری، النبی الامّی، فارسی سے عربی ترجمہ: محمد علی التسخیری، سازمان تبلیغات اسلامی، ایران، ۱۳۶۰۔

(۲۱) مصنف غیر مذکور، ترجمۃ القرآن بتصریف آیات الفرقان، المعروف بہ تفسیر القرآن بالقرآن، ادارہ بلاغ القرآن لاہور، سنہ طبع غیر مذکور، ص ۷۰۔

(۲۲) تدبر قرآن، ۹/۲۲۲۔

(۲۳) راشد شاز، اسلام مستقبل کی بازیافت، ملی پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۷-۲۸۔ یہ نکتہ اس سے پہلے غلام احمد پرویز پیش کر چکے ہیں، ملاحظہ کیجیے ان کی کتاب مفہوم القرآن۔

(۲۴) ملاحظہ کیجیے مولانا حمید الدین فراہی، ذبیح کون؟ (مترجم: مولانا امین احسن اصلاحی) دائرۂ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، ص......

(۲۵) سکندر احمد، ذکرِ انبیاء، طبع علی گڑھ، ۲۰۰۱ء، ص ۳۳-۳۴۔

(۲۶) صحیح البخاری، کتاب المغازی، ۴۳۱۵، ۴۳۱۶ ودیگر مقامات۔ وصحیح مسلم، کتاب الجهاد، ۱۷۷۶۔

(۲۷) صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی ان ابنی هذا سید...... حدیث: ۲۷۰۴۔

(۲۸) ناموسِ رسول ﷺ حوالہ سابق، ص ۱۳۱-۱۴۴۔

(۲۹) رسول اکرم ﷺ اور تعداد ازواج کے موضوع پر تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے راقم کی کتاب حقائق اسلام - اعتراضات کا جائزہ' مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز' نئی دہلی' بحث ''رسول اکرم ﷺ کی ازواجی زندگی'' ص......
(۳۰) صحیح البخاری' ٣٣٤٤' ٤٣٥١' ودیگر مقامات ۔صحیح مسلم' ١٠٦٤۔
(۳۱) الفصل فی الملل والاھواء والنحل' حوالہ سابق' ص......
(۳۲) www.urdu.understanding-islam.org بحوالہ حافظ محمد زبیر و حافظ طاہر اسلام عسکری' فکر غامدی ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ' مکتبہ خدام القرآن لاہور' ۲۰۰۷ء' ص ۱۱۱۔
(۳۳) اسلام مستقبل کی بازیافت' حوالہ سابق' ص ۹۵-۱۰۱۔
(۳٤) ابن الاثیر الجزری' جامع الاصول من احادیث الرسول' تحقیق عبدالقادر الارناؤوط' رئاسة ادارات البحوث العلمیة والافتاء والدعوة والارشاد' ۱۹۷۲ء' ۱۰/ ۷۸-۷۹' بحوالہ خطابی۔

☆☆☆

حواشی: ڈاکٹر اسرار احمد - ایک عظیم داعئ قرآن

(۱) وحدتِ اُمت' ص ۳۸' از مولانا مفتی محمد شفیع ؒ' مکتبہ خدام القرآن' ۲۰۰۸ء۔
(۲) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر' ص ۱۱۸' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔
(۳) بیان القرآن' ص ۱۲۷۔۱۲٦' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔
(۴) دعوت رجوع الی القرآن......' ص ۸' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔
(۵) جہاد بالقرآن' ص ۴۔۳' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔
(٦) اسلام کی نشاۃِ ثانیہ۔ کرنے کا اصل کام' ص ۲٦' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔
(۷) دعوت رجوع الی القرآن......' ص ۱۱۷' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔
(۸) مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق' ص ۳۸۔۳۷' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔

❁❁❁

تصحیح گزشتہ شمارے میں جناب احمد جاوید کے مضمون ''ایجاد و ابداعِ عالم...... پر ہونے والی ایک گفتگو'' کے آغاز میں صفحہ 54 پر ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کے ادارتی نوٹ میں غلطی سے ایک لفظ ''ذواتِ خلق'' کی جگہ ''ذواتِ حق'' شائع ہو گیا ہے۔ اس تسامح پر ادارہ حکمت قرآن معذرت کا طالب ہے۔ از راہ کرم ادارتی نوٹ کا دوسرا پیراگراف اس طرح پڑھا جائے:

> ''جیسا کہ زیر نظر کتابچے کے عنوان سے ظاہر ہے' خالص فلسفیانہ اصطلاح میں اصل مبحث ربط الحادث بالقدیم کا ہے۔ قدیم اور ازلی و ابدی ذات باری تعالیٰ کی ہے جس نے کائنات' اس کی جملہ ذوات اور انسان کو پیدا کیا۔ بالفاظ دیگر' اصل مسئلہ ذاتِ حق اور ذواتِ خلق کے درمیان ربط و تعلق کا ہے۔ ان کے درمیان عینیت اور غیریت دونوں ہی سے مسائل پیدا ہوتے ہیں جو فلسفیانہ ذہن کے لیے خلجان کا باعث بنتے ہیں......''

اہل السنّت والجماعۃ کون؟ (۵)

حافظ نذیر احمد ہاشمی

ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ

جمہور اشاعرہ' معتزلہ' ائمہ ثلاثہ' داؤد ظاہری اور بہت سارے علماء کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی ہوسکتی ہے جبکہ امام ابوحنیفہ' آپ کے شاگرد اور امام الحرمین کا مسلک یہ ہے کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ چنانچہ صاحب شرح مقاصد نے لکھا ہے:

وھو مذھب الاشاعرۃ والمعتزلۃ والمحکی عن الشافعی وکثیر من العلماء ان الایمان یزید وینقص وعند ابی حنیفۃ واصحابہ وکثیر من العلماء۔ وھو اختیار امام الحرمین— انہ لا یزید ولا ینقص' لانہ اسم للتصدیق البالغ حد الجزم والاذعان ولا یتصور فیہ الزیادۃ والنقصان۔ والمصدق اذا ضم الطاعات الیہ او ارتکب المعاصی' فتصدیقہ بحالۃ لم یتغیر اصلاً وانما یتفاوت اذا کان اسما للطاعات المتفاوتہ قلۃ وکثرۃً ۔ ولھذا قال الامام الرازی وغیرہ— ان ھذا الخلاف فرع تفسیر الایمان— فان قلنا— ھو التصدیق فلا یتفاوت وان قلنا:ھو الاعمال فمتفاوت۔

وقال امام الحرمین—اذا حملنا الایمان علی التصدیق فلا یفضل تصدیق تصدیقاً کما لا یفضل علم علماً ومن حملہ علی الطاعۃ سرا وعلنا۔ وقد مال الیہ القلانسی ۔ فلا یبعد اطلاق القول بانہ یزید بالطاعۃ ' وینقص بالمعصیۃ۔(۱۳۷)

''اشاعرہ' معتزلہ' امام شافعی اور بہت سارے علماء کے نزدیک ایمان میں کمی وزیادتی ہوسکتی ہے۔ اس کے برعکس امام ابوحنیفہ' ان کے شاگرد' امام الحرمین اور بہت سارے دیگر علماء کے نزدیک ایمان میں زیادتی و کمی نہیں ہوسکتی' کیونکہ ایمان جزم و فرمانبرداری تک پہنچنے والی تصدیق کا نام ہے اور اس میں زیادتی و کمی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تصدیق کنندہ اگر تصدیق کے ساتھ طاعات کو بھی شامل کرے یا معاصی کا ارتکاب کرے تب بھی اس کی تصدیق بغیر کسی تبدیلی کے برقرار رہتی ہے۔ اس میں تفاوت تب ہی ہوسکتا ہے اگر قلت و کثرت کے لحاظ سے متفاوت طاعات کا نام ایمان رکھا جائے۔ اسی لیے امام رازی وغیرہ نے فرمایا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی کا اختلاف ایمان کی تفسیر میں اختلاف کا نتیجہ ہے' اگر ایمان کی تفسیر تصدیق سے کی جاوے تو اس میں تفاوت نہیں اور اگر اعمال سے کی جائے تو اس میں تفاوت ہوسکتا ہے۔

اور امام الحرمین کا کہنا ہے کہ اگر ایمان کو تصدیق پر محمول کیا جائے تو کسی تصدیق میں دوسری تصدیق کی نسبت کوئی زیادتی نہیں، جس طرح ایک علم کو دوسرے علم پر زیادتی حاصل نہیں اور اگر اس کو سِرًّا وعَلانیةً طاعت پر محمول کیا جائے جیسا کہ قلانسی کا قول ہے تو پھر اطاعت سے ایمان میں اضافہ اور معصیت سے ایمان میں کمی کا قول اختیار کرنے میں کوئی بُعد نہیں۔''

امام موصوف کا یہی مسلک (ایمان میں کمی بیشی کا نہ ہونا) کتاب **الوصیة للامام الاعظم ابی حنیفة** میں بھی نقل ہوا ہے:

الایمان لا یزید ولا ینقص لانه لا یتصور زیادة الایمان الا بنقصان الکفر فکیف یجوز ان یکون الشخص الواحد فی حالة واحدة مؤمنًا' وکافرًا حقًّا ولیس فی ایمان المؤمن شك کما انه لیس فی کفر الکافر شك کقوله تعالٰی ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾(۱۳۸)

ان کا یہی مسلک **العقائد النسفیه** میں(۱۳۹) اور **العقائد الاحمدیه**(۱۴۰) (شیخ احمد الفاروقی السرہندی) میں بھی نقل ہوا ہے۔

ایمان میں زیادت ونقصان کے اس اختلاف کا منشا کیا ہے؟ اس سلسلے میں امام رازی کی رائے یہ ہے (جیسا کہ شرح مقاصد اور شرح مواقف کے حوالے سے اوپر بیان ہو چکا ہے) کہ اصل میں یہ اختلاف ایمان کے مرکب و بسیط ہونے کے اختلاف پر مبنی ہے' جو ایمان کے مرکب ہونے کے قائل ہیں وہ ''**الایمان یزید وینقص**'' کے قائل ہیں اور جو لوگ ایمان کو بسیط مانتے ہیں وہ ''**الایمان لایزید ولا ینقص**'' کے قائل ہیں۔

باقی امام نووی کا یہ فرمانا کہ ''اعمال کو ایمان کا جزء نہ ماننے کی صورت میں بھی ایمان کے اندر زیادت و نقصان ہوتا ہے' کیونکہ صدیقین کا ایمان عام لوگوں کے ایمان سے بڑھ کر ہوتا ہے اسی طرح آحادِ اُمت کا ایمان کسی نبی کے ایمان کے مقابلے میں کمتر ہوتا ہے' کسی نبی کی تصدیق عام افراد کی تصدیق سے بڑھ کر ہوتی ہے' اسی لیے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ﴾'' صحیح نہیں ہے' کیونکہ نزاع تفاوت ایمان **بحسب الکمیة** میں ہے (قلت وکثرت) نہ کہ **تفاوت فی الکیفیة** (قوت وضعف) میں۔ آپ کی پیش کردہ امثلۂ تفاوتِ **ایمان فی الکیفیة** کی ہیں نہ کہ کمیت کی۔ نصوص آیات واحادیث مبارکہ میں زیادتی کا ذکر آیا ہے نقصان کا ذکر کہیں بھی نہیں ہوا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امام مالک کا مسلک ''**الایمان یزید ولا ینقص**'' نقل کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کا ایک قول بھی یہی نقل کیا گیا ہے اور عبداللہ بن المبارک کا قول بھی اسی طرح نقل ہوا ہے(۱۴۱) لیکن احناف کا مشہور مسلک ''**لا یزید ولا ینقص**'' ہے جبکہ متعدد آیاتِ بینات میں ایمان کی زیادتی کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً:

(ا) ﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (الانفال:۲)

(ب) ﴿لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ﴾ (الفتح:۴)

(ج) ﴿وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا﴾ (المدثر:۳۱)
(د) ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (التوبة:۱۲٤)
(ر) ﴿فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا﴾ (آل عمران:۱۷۳)

مندرجہ بالا آیات بینات کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی ایمان کی زیادتی کا ذکر آیا ہے۔ اس زیادتی سے کیا مراد ہے؟ کئی جواب دیے گئے ہیں۔

(۱) زیادت فی الایمان سے مراد زیادتی ثمراتِ ایمان اور نورِ ایمان ہے۔ طاعات سے ثمرات اور نورِ ایمان میں زیادتی اور معاصی سے کمی ہوتی ہے۔[۱۴۲] چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (الزمر:۲۲) یعنی جس شخص کا سینہ اللہ عزوجل اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں اس کو اپنے ربّ کی طرف سے ایک نور عطا ہوتا ہے اور اعمال کی کمی و زیادتی سے اس نور میں انبساط' پھیلاؤ اور نقصان ہوتا رہتا ہے' اعمالِ حسنہ کی جس قدر کثرت ہوگی نورِ ایمان میں انبساط اور پھیلاؤ ہوگا اور اعمالِ حسنہ میں جتنی کمی ہوگی اسی کے بقدر نورِ ایمان میں کمی ہوتی جائے گی۔ اسی طرح ارشادِ ربانی ہے: ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ (الانعام:۱۲۲) یا ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾ (التحریم:۸) یا ﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾ (الحدید:۱۲) تو اعمالِ حسنہ سے ایمان کے نور میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے' نفسِ ایمان جو تصدیق قلبی کا نام ہے اس میں زیادتی اور کمی نہیں ہوتی۔

(۲) صاحب شرح المقاصد نے لکھا ہے:

ان المراد الزيادة بحسب زيادة المؤمن به والصحابة كانوا آمنوا فى الجملة وكان ياتى فرض بعد فرض وكانوا يؤمنون بكل فرض خاص۔ وحاصله ان الايمان واجب اجمالاً فيما علم اجمالاً وتفصيلاً فيما علم تفصيلاً والناس متفاوتون فى ملاحظة التفاصيل كثرةً وقلةً فيتفاوت ايمانهم زيادةً ونقصاناً[۱۴۳]

''زیادتی سے مؤمن بہ (جس پر ایمان لایا جائے) کی زیادتی مراد ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلے اجمالاً ایمان لائے تھے (کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ لائیں گے اس کو مان کر سرِ تسلیم خم کیا جائے گا) اس کے بعد یکے بعد دیگر فرض آتے گئے اور صحابہ ہر فرض پر ایمان لاتے گئے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جن چیزوں کا علم اجمالی ہے ان پر اجمالی ایمان اور تفصیلی چیزوں پر تفصیلی ایمان رکھنا واجب ہے۔ تفاصیل کے ملاحظہ کرنے میں چونکہ عوام الناس میں تفاوت پایا جاتا ہے لہٰذا اس نقصان و زیادت کے لحاظ سے ان کے ایمان میں تفاوت آ گیا۔''

یا زیادہ واضح الفاظ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلے پہلے اجمالی ایمان لائے کہ رسول اللہ ﷺ پر وقتاً فوقتاً جو نازل ہوگا اس پر ایمان لائیں گے' اس کے بعد احکام کے نزول پر ہر ہر حکم پر ایمان لاتے گئے' کمی و زیادتی ان تفصیلات کے

اعتبار سے ہے۔ کچھ لوگ ایمان لانے کے بعد اس وقت فوت ہو گئے جب کہ پانچ نمازیں بھی فرض نہیں ہوئی تھیں' کچھ نمازوں کی فرضیت کے وقت زندہ تھے لیکن روزوں کی فرضیت سے قبل فوت ہو گئے اور کچھ ایسے بھی تھے جو حج کی فرضیت سے پہلے انتقال کر گئے۔ اس تفصیل کے اعتبار سے ان کا ایمان کم تھا اور جن کا انتقال بعد میں ہوا ان کا ایمان اس تفصیل کے اعتبار سے زیادہ تھا تو زیادتی اور کمی اس تفصیل کے اعتبار سے تھی' لیکن اجمالی ایمان ''کہ جو کچھ آپ فرمائیں گے ہم اس پر یقین کریں گے'' زیادت ونقصان کو قبول نہیں کرتا۔

(۳) تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کمی بیشی اس سکینت وطمانیت میں ہوتی ہے جو اہل ایمان کو عطا کی جاتی ہے: ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الفتح:۲۶) ''تو اللہ عزوجل نے اپنے رسول اور مؤمنین پر سکینت نازل کی''۔ یہ سکینت تصدیق کے علاوہ ایک دوسری چیز ہے جو اہل ایمان کو منجانب اللہ عطا ہوتی ہے۔ زیادتی اور کمی اس سکینت کے اعتبار سے ہوتی ہے نہ کہ نفسِ تصدیق کے اعتبار سے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق:

بقول ان کے اہل حق (متکلمین اور امام ابوحنیفہ اور فقہاء ثلاثہ' محدثین اور اشاعرہ) کے درمیان دراصل کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ اختلاف قصور فی نقل المذاہب کا نتیجہ ہے' بایں طور کہ دونوں طرف کے مذاہب کے نقل کرنے میں قطع و برید ہوئی ہے جس کی وجہ سے اختلاف پیدا کر کے بحثیں شروع کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ سلف کا قول ہے :'' **الایمان معرفة بالقلب' واقرار باللسان' وعمل بالارکان' یزید بالطاعة وینقص بالمعصیة**''۔ اس میں دو اختصار کیے گئے ہیں' ایک یہ کہ تینوں چیزوں (معرفتِ قلبی' اقرارِ لسانی اور عمل بالارکان) کا ذکر کیے بغیر ''**الایمان قول وعمل**'' کہہ دیا گیا۔ دوسرا اختصار یہ کیا گیا کہ ''**یزید بالطاعة وینقص بالمعصیة**'' کے بجائے فقط ''**یزید و ینقص**'' کہا گیا۔ لہٰذا اس جملہ کا اصل مفہوم مخفی رہ گیا' کیونکہ سلف کا مقصد بالطاعة اور بالمعصیة کہے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

تیسرا اختصار یہ کیا گیا کہ یہ اول سے آخر تک پوری ایک عبارت تھی اور مجموعہ مل کر ایک عقیدہ تھا' لیکن لوگوں نے اس میں قطع و برید کر کے الگ الگ دو مسئلے بنا دیے: (۱) **الایمان قول وعمل** (۲) **الایمان یزید و ینقص**' لہٰذا جب سلف کا عقیدہ نقل کیا جاتا ہے تو وہاں علیحدہ علیحدہ دو مستقل مسئلوں کی صورت میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح امام اعظم کا قول جو امام طحاوی نے **العقیدة الطحاویة** میں نقل کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

> **والایمان هو الاقرار باللسان ' والتصدیق بالجنان' وان جمیع ما انزل اللّٰه فی القرآن وجمیع ما صحّ عن النبی ﷺ من الشرع والبیان کله حق' والایمان واحد واهله فی اصله سواء' والتفاضل بینهم بالتقوی' ومخالفة الهوی' وملازمة الاولی**(۱۴۴)

امام صاحب کے مندرجہ بالا کلام سے ''**وما صح عن رسول اللّٰه ﷺ من الشرع والبیان کله حق**'' علیحدہ کر کے ''**الایمان اقرار باللسان وتصدیق بالجنان**'' کو ذکر کیا گیا اور اس طرح یہ ظاہر کیا گیا کہ اس میں عمل کا ذکر نہیں ہے اور نتیجہ یہ نکالا گیا کہ امام موصوف کے نزدیک عمل ایمان کا جزء نہیں۔ نیز ''الایمان

واحد'' کے الفاظ بھی حذف کر دیے گئے اور اس کے بعد کے الفاظ ''واھله فی اصله سواء'' سے یہ مطلب نکالا گیا کہ ''الایمان لا یزید ولا ینقص'' یعنی ایمان میں کمی وزیادتی نہیں ہوتی بلکہ تمام اہل ایمان اصل ایمان میں برابر ہیں۔ یہ دوسرا مسئلہ بنالیا گیا اور اس کے بعد والی پوری عبارت والتفاضل بینھم بالتقوی...... غائب کر دی گئی۔ یعنی جس طرح سلف کے قول میں قطع وبرید کر کے اور عبارتوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے دو مستقل مسئلوں کا عنوان دیا گیا اسی طرح امام اعظم کے قول میں بھی قطع وبرید کر کے اور عبارتوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے دو مستقل مسئلوں کا عنوان بنا دیا گیا۔ حالانکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے' دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ امام صاحب نے لمبی چوڑی عبارت میں سلف کے قول کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ سلف کی عبارت ''الایمان معرفة بالقلب واقرار باللسان وعمل بالارکان یزید بالطاعة وینقص بالمعصية'' نے مرجئہ کی تردید کی ہے کہ ایمان تصدیق بالقلب' اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔ مرجئہ کا یہ کہنا کہ ''عمل کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں' بغیر عمل کے بھی آدمی براہِ راست جنت میں جائے گا' معصیت سے وہ سزا کا مستحق نہیں بنے گا'' غلط ہے۔ بلکہ عمل ایمان میں داخل ہے۔

اس کے بعد ''یزید بالطاعة وینقص بالمعصية'' سے ان کی مراد یہ ہے کہ اصل ایمان تو تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ہے' اگر یہ نہیں تو انسان دائرۂ ایمان سے خارج ہے اور یہ موجود ہے تو وہ مؤمن شمار ہوتا ہے' جبکہ عمل کی یہ حیثیت نہیں کہ اس کی نفی سے ایمان کی نفی لازم آئے بلکہ اس کی حیثیت ایمان کے مراتب میں اضافہ اور کمی کرنے کی ہے' وہ ایمان کا جزء نہیں ہے۔ ''یزید بالطاعة وینقص بالمعصية'' کہہ کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ نیکیوں سے ایمان کا درجہ بڑھتا اور معاصی سے اس کا درجہ گھٹتا ہے۔ وہ اس درجہ کی چیز نہیں کہ اس کے نہ ہونے پر آدمی ایمان سے خارج ہو جائے' جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے۔ گویا انہوں نے اس جملہ سے معتزلہ وخوارج پر رد کیا ہے۔

امام اعظم بعینہٖ یہی بات کہہ رہے ہیں' ان کے پیش نظر معتزلہ' خوارج اور مرجئہ کا رد ہے' بس تھوڑا سا فرق ہے کہ سلف نے پہلے مرجئہ کا رد کیا ہے کہ ان کے زمانے میں ان ہی کا زور تھا اور پھر یزید بالطاعة وینقص بالمعصية سے معتزلہ وخوارج کا رد کیا' جبکہ امام صاحب نے پہلے معتزلہ وخوارج کا رد کیا کہ ان کے زمانے میں ان ہی کا زور تھا اور مرجئہ کا رد بعد میں کیا' یعنی صرف ترتیب میں فرق ہے۔ چنانچہ امام صاحب نے ''الایمان اقرار باللسان وتصدیق بالجنان'' فرما کر معتزلہ وخوارج کا رد کیا لیکن عمل کو یکسر نظر انداز نہیں کیا بلکہ ''وما صح عن رسول اللہ ﷺ من الشرع والبیان کله حق'' فرما کر عمل کا ذکر کر دیا۔ ایمان کی اساس وبنیاد کو ''اقرار باللسان وتصدیق بالجنان'' میں معتزلہ وخوارج کا رد کرنے کے لیے علیحدہ ذکر فرمایا اور یہ سمجھانے کے لیے کہ عمل کا یہ درجہ نہیں' عنوان بدل کر ''وما صح عن رسول اللہ ﷺ ...... کله حق'' فرمایا' اس میں مرجئہ کا رد ہو گیا' کہ ہم عمل کی اہمیت کے منکر نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح سندوں سے جو شریعت ثابت ہے وہ اعمال واحکام ہی ہیں اور یہ سب حق ہیں۔

اس کے بعد کے جملے ''**والایمان واحد**'' کا معنی یہ ہے کہ ایمان تصدیق بالجنان' اقرار باللسان اور عمل بالارکان کے مجموعہ سے مل کر شئے واحد ہے' جیسے کوئی مرکب اپنے اجزاء سے مل کر شئے واحد بنتی ہے اسی طرح ایمان بھی ہے۔ مثلاً جڑ' تنا' شاخیں' پتے اور پھول سب مل کر ایک درخت ہوتا ہے' بعینہٖ اسی طریقے سے ایمان تصدیق بالجنان' اقرار باللسان اور عمل بالارکان تینوں سے مل کر ایک مجموعہ ہے۔ یہ تمام ایمان کے اجزاء تو ہیں لیکن مرتبے میں برابر نہیں۔ جس طرح درخت کے اندر پتوں اور شاخوں کا وہ مقام نہیں جو جڑ اور تنے کا ہے اسی طریقے سے عمل کا درجہ وہ نہیں جو تصدیق اور اقرار کا ہے۔ تصدیق واقرار کا مرتبہ اساس اور بنیاد کا ہے اور عمل کی حیثیت اساس اور بنیاد کی نہیں۔ اس بات کو مزید واضح کرنے کے لیے امام صاحب نے فرمایا ''**واھله فی اصله سواء**'' یعنی تصدیق کے اندر سب اہل ایمان برابر ہیں' اعمال میں نہیں۔

اس کے بعد امام اعظم نے فرمایا ''**والتفاضل بینھم بالخشية والتقوی ومخالفة الھوی وملازمة الاولی**'' یہ مرجئہ پر رد ہے جو عمل کی ضرورت کے قائل نہیں۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ عمل کی ضرورت ہے' اس سے درجات میں تفاوت ہوگا' ایک آدمی جتنا زیادہ نیک عمل کرے گا اتنا ہی اس کا درجہ بلند ہوگا' بلکہ اولیٰ وافضل کا بھی آدمی اگر اہتمام کرے گا تو اس کا درجہ اور بھی بڑھتا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ اس عبارت میں امام صاحب نے مرجئہ پر رد کرنے کے ساتھ ساتھ عمل کی حیثیت بھی واضح کی ہے کہ اس کی وجہ سے مراتب میں تفاوت آتا ہے' آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو سلف نے کہی ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ امام اعظم اور اشاعرہ وائمہ ثلاثہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ دونوں فریق ایمان کو مرکب مانتے ہیں اور یہ بھی دونوں کے نزدیک طے ہے کہ اعمال کی حیثیت جزءِ ترتیبی کی ہے جزءِ اصلی اور ترکیبی کی نہیں۔ یعنی اعمال ایمان کامل کا جزء ہیں اصل ایمان کا جزء نہیں ہیں۔ اشاعرہ اور ائمہ ثلاثہ کا موقف بھی یہی ہے' لہٰذا دونوں میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ (١٤٥)

الحاصل

ایمان کے ایک سے زیادہ مفاہیم ہیں:

(۱) ایمان کا پہلا مفہوم: وہ ایمان جس پر دُنیوی احکام (جان و مال کی حفاظت وغیرہ) کا مدار ہے' اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل ارشادات مبارکہ میں ہوا ہے:

(ا) ((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ)) (١٤٦)

(ب) ((مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِىْ ذِمَّتِهٖ)) (١٤٧)

(۲) ایمان کا دوسرا مفہوم: وہ ایمان جس پر اُخروی احکام (نجات' فوز وفلاح اور درجاتِ عالیہ کے حصول) کا

مدار ہے' یہ ایمان ہر اعتقادِ حق' اعمالِ حسنہ اور ملکۂ فاضلہ کا نام ہے' اس ایمان میں زیادتی اور کمی ہو سکتی ہے۔ شارع اس کے ہر ہر جزء کو ایمان سے تعبیر کرتا ہے۔ درج ذیل ارشاداتِ مبارکہ ملاحظہ ہوں:

(ا) ((لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَہٗ)) (۱۴۸)

(ب) ((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ)) (۱۴۹)

یہ اور ان کے علاوہ دیگر احادیثِ مبارکہ میں مختلف اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیا گیا ہے' البتہ سب اعمال کی حیثیت یکساں نہیں ہے بلکہ ان میں فرق و تفاوت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اعمال کے دو مراتب متعین کیے ہیں۔ عمدہ جزء کہلائے جانے والے اعمال کو ایمان کا رکن اور ان کے مقابلے میں دوسرے اعمال کو شعب الایمان کہا گیا ہے۔ وہ اعمال جو رکن ایمان ہیں اس کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَھَادَۃِ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکَاۃِ وَحَجِّ الْبَیْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (۱۵۰)

اور شعب الایمان اعمال کے بارے میں فرمایا:

((اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَۃً فَاَفْضَلُھَا قَوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَدْنَاھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ)) (۱۵۱)

مفہوم اوّل کے حامل ایمان کا مقابل کفر ہے جبکہ مفہوم ثانی کے حامل ایمان کے مقابل میں تفصیل ہے' اگر تصدیق قلبی نہیں ہے اور تسلیم وانقیاد غلبۂ سیف کی وجہ سے ہے تو نفاقِ اصلی ہے جو کفر کے باہم مرادف ہے اور اگر تصدیق موجود ہے لیکن وظیفۂ جوارح (اعمال) نہیں ہے تو اس کو فسق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳) ایمان کا تیسرا مفہوم: **تصدیق الجنان بما لا بد من تصدیقہ** اس کا ذکر حدیثِ جبریل میں ایمان کے بارے میں سوال کے جواب میں ہوا ہے: **الایمان ان تؤمن باللّٰہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر وتؤمن بالقدر خیرہ و شرہ۔**

(۴) ایمان کا چوتھا مفہوم: وہ سکینت' بشاشت' حلاوت اور طمانیت جو مقربین کو حاصل ہوتی ہے' جس کا ذکر درج ذیل ارشاداتِ ربانیہ میں ہوا ہے۔

(ا) ﴿ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِھِمْ﴾ (الفتح:۴)

(ب) ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (الفتح:۲۶)

(ج) ﴿لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾ (الحدید:۹)

اس طرح ایمان کے چار مفاہیم ہیں جو شریعتِ مطہرہ میں استعمال ہوتے ہیں۔ اگر باہم متعارض احادیث میں سے ہر ایک حدیث کو اپنے اپنے محمل پر محمول کر لیا جائے تو اس سلسلے کے تمام شکوک وشبہات کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ ایمان میں زیادتی و کمی کے قائل ہیں ان کے پیش نظر ایمان بمعنی سکینت' بشاشت اور طمانیت ہے اور جو لوگ ایمان میں زیادتی و کمی کے قائل نہیں ہیں ان کے پیش نظر ایمان بمعنی **تصدیق الجنان بما لا بد**

من تصدیقه ہے۔یعنی وہ تصدیق جس کی بدولت کوئی انسان کفر وشرک سے نکل کر مؤمنین کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔اس ایمان میں تمام مؤمنین مشترک ہیں' عوام ہوں یا خواص' صالحین ہوں یا فاسقین' ان کے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے تمام انبیاء اور رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام باوجود تفاوتِ مراتب اور اختلافِ درجات کے نبوت و رسالت کی ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں حتیٰ کہ ایمان کے حوالے سے ان میں کسی قسم کی تفریق جائز نہیں ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ بالفاظِ دیگر نبوت و رسالت میں تمام انبیاء و رسل یکساں ہیں' تفاوتِ مراتب اور اختلافِ درجات نفسِ نبوت و رسالت میں نہیں بلکہ کمالاتِ زائدہ علی نفس النبوية والرسالة میں ہے' بعینہ اسی طرح مؤمنین کے ایمانی مراتب میں تفاوت باعتبار اوصاف زائدہ بمع نفس الایمان ہے صرف نفسِ ایمان میں نہیں' جس طرح تمام انسان حقیقتِ انسانیت میں برابر ہیں' کسی میں کوئی کمی بیشی نہیں' اختلافِ مراتب اور تفاوتِ درجات حقیقتِ انسانیت میں نہیں بلکہ فضائل' فواضل' محاسن اور شمائل کی بنیاد پر ہے۔

ایمان اور اسلام کے درمیان نسبت

بقول صاحب شرح المقاصد جمہور کے نزدیک ایمان اور اسلام باہم مترادف ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

الجمهور على ان الاسلام والايمان واحد: اذ معنى آمنت بما جاء به النبی ﷺ صدقته۔ ومعنى أسلمت له :سلمته۔ ولا يظهر بينهما كثير فرق لرجوعهما الى معنى الاعتراف والانقياد والاذعان والقبول (۱۵۲)

''جمہور کا مسلک یہی ہے کہ اسلام و ایمان باہم مترادف ہیں اس لیے کہ آمنت بما جاء به النبی ﷺ کا معنی ہے میں نے ان تمام کی تصدیق کر لی جو نبی کریم ﷺ لے کر آئے ہیں۔اور اسلمت له کا معنی ہے تسلیم کرنا اور کسی کا فرمانبردار ہونا اور دونوں کے مفاہیم میں کوئی زیادہ فرق نہیں' کیونکہ دونوں کا مفہوم بالآخر اعتراف' تسلیم اور قبول کی طرف لوٹتا ہے۔''

جمہور کے خلاف حشویہ اور بعض معتزلہ کا مسلک اور نقطۂ نظر ایمان و اسلام کے درمیان تغایر کا ہے۔ چنانچہ صاحب شرح المقاصد نے لکھا ہے:

وذهبت الحشوية وبعض المعتزله الى تغايرهما نظرا الى ان لفظ الايمان ينبئ عن التصديق فيما اخبر اللّٰه تعالٰى على لسان رسله ولفظ الاسلام عن التسليم والانقياد' ومتعلق التصديق يناسب ان يكون هو الاخبار ومتعلق التسليم الاوامر والنواهی (۱۵۳)

''حشویہ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ ایمان اور اسلام باہم متغایر ہیں۔لفظ ایمان کا معنی ان تمام اشیاء کی تصدیق ہے جن کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی دی ہے اور اسلام کا معنی تسلیم و انقیاد (فرمانبرداری) ہے۔اس طرح تصدیق کا تعلق اخبار سے جبکہ اسلام کا تعلق اوامر و نواہی سے ہے۔''

جمہور کے دلائل

(۱) ﴿فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٦﴾﴾ (الذّٰریٰت)

(۲) ﴿قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ﴾ (الحجرات:١٧)

(۳) ﴿وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿٨٤﴾﴾ (یونس)

(٤) ﴿اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٥٣﴾﴾ (الروم)

(٥) ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٢﴾﴾ (آل عمران)

(٦) ﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿٨٤﴾﴾ (آل عمران)

(۷) حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: فَاَيُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: ((اَلْاِيْمَانُ))[١٠٤]

(۸) ((بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ......))[١٠٥]

یہ اور ان جیسی دیگر آیاتِ بینات اور احادیثِ مبارکہ سے ایمان و اسلام کا باہم مترادف ہونا معلوم ہوتا ہے۔ صاحب شرح المقاصد علامہ تفتازانی نے لکھا ہے:

> الاسمان من قبيل الاسماء المترادفة وكل مؤمن مسلم وكل مسلم مؤمن لان الايمان اسم لتصديق شهادة العقول والآثار على وحدانية اللّٰه تعالٰى وان له الخلق والامر لا شريك لهٗ في ذٰلك والاسلام اسلام المرء نفسه بكليتها للّٰه تعالٰى العبودية له' من غير شرك' فحصلاً من طريق المراد منهما على معنى واحد' ولو كان الاسمان متغايرين لتصور وجود احدهما بدون الآخر' ولتصور مؤمن ليس بمسلم' او مسلم ليس بمؤمن' فيكون لاحدهما حكم ليس للآخر وهذا باطل قطعًا وقال في الكفاية : الايمان هو تصديق اللّٰه فيما اخبر من اوامره ونواهيه' والاسلام هو الانقياد والخضوع لألوهيته وذا لا يتحقق الا بقبول الامر والنهي فالايمان لا ينفك عن الاسلام حكما فلا يتغايران[١٠٦]

”دونوں اسم (ایمان اور اسلام) اسمائے مترادفہ میں سے ہیں' ہر مؤمن مسلم اور ہر مسلم مؤمن ہے' اس لیے کہ اللہ عزوجل کی وحدانیت اور خلق وامر کے بلاشرکتِ غیرے مالک ہونے پر عقول وآثار کی شہادت کی تصدیق کا نام ایمان ہے اور اسلام اپنے آپ کو کلیۃً اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے بغیر کسی شرک کے اس کی بندگی بجالانے کا نام ہے۔ اس طرح دونوں سے مراد ایک ہی معنی ہے۔ بالفرض اگر دونوں باہم مغایر ہوتے تو کسی ایک کا دوسرے کے بغیر تصور ممکن ہوتا۔ یعنی کسی مؤمن کا تصور بغیر مسلم کے اور مسلم کا تصور بغیر مؤمن کے نہ صرف ممکن ہوتا بلکہ ہر ایک کا حکم الگ الگ ہوتا' حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ صاحب کفایہ کا بیان

ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اوامر ونواہی کی تصدیق اور اسلام اس کی الوہیت کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے اور فرمانبرداری کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ کی الوہیت کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے کا تصور اس کے اوامر ونواہی کو قبول کیے بغیر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ایمان کا وجود اسلام کے بغیر نہیں ہوسکتا اور جب نہیں ہوسکتا تو دونوں مغایر بھی نہیں ہوسکتے۔''

حشویہ اور بعض معتزلہ کے دلائل

(۱) ﴿قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ (الحجرات:۱۴)

(۲) قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر ایمان واسلام کو ایک دوسرے پر عطف کیا گیا ہے اور عطف، معطوف اور معطوف علیہ کے مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ مثلاً:

(ا) ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ (الاحزاب:۳۵)

(ب) ﴿وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾ (الاحزاب)

(ج) حدیث جبریل میں ایمان کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا: ((اَلْاِيْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ ...... اِلَى الْاٰخِر)) اور اسلام کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: ((اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ))[۱۵۷] مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان امورِ مذکورہ فی الحدیث کی تصدیق اور اسلام اعمالِ مخصوصہ کے انجام دینے کا نام ہے۔

(د) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: اَلْاِسْلَامُ عَلَانِيَةٌ وَالْاِيْمَانُ فِي الْقَلْبِ[۱۵۸]

اصل بات یہ ہے کہ ایمان واسلام کی الگ الگ حقیقت شرعیہ اور لغویہ ہے۔ ایمان تو نام ہے اعتقادِ مخصوص کا اور اسلام نام ہے اعمالِ شرعیہ کی تعمیل کا۔ لیکن ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ تکمیل کا تعلق ہے، جیسے کوئی معتقد اعمالِ شرعیہ کی تعمیل کیے بغیر مؤمن کامل نہیں ہوسکتا اسی طرح کوئی مسلم اعتقادِ قلبی کے بغیر صرف انقیادِ ظاہری سے مطیع کامل نہیں ہوسکتا۔

یہ دونوں الفاظ اگر ساتھ ساتھ اور مقام سوال میں آئے ہوں تو ان کی حقیقت متباین ہوگی۔ جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے۔ اور اگر ساتھ ساتھ نہ ہوں یا مقام سوال میں نہ ہوں تو اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے میں داخل ہوجائیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ[۱۵۹] یا حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: فَاَيُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْاِيْمَانُ[۱۶۰]

حافظ ابن رجب حنبلی کا بیان ہے کہ جب ایمان واسلام کو الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے تو دونوں باہم مترادف ہوتے ہیں اور ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے تو دونوں مغایر ہوتے ہیں۔

فالایمان والاسلام کا سم الفقیر والمسکین اذا اجتمعا افترقا واذا افترقا اجتمعا

یعنی یہ دونوں لفظ ''مسکین'' اور ''فقیر'' کی طرح ہیں، جب یہ دونوں ساتھ ساتھ بولے جاتے ہیں تو ان کے حقائق متباین ہوتے ہیں اور الگ الگ بولنے کی صورت میں ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہیں۔[۱۶۱]

حواشی

(۱۳۷) شرح المقاصد' ج۵ ' ص ۲۱۱ و شرح المواقف' ج۸' ص ۳۲۰۔

(۱۳۸) کتاب الوصیة' الایمان لا یزید ولا ینقص وحقیقته۔

(۱۳۹) العقائد النسفیة' فصل الفرق بین الایمان والاسلام۔

(۱۴۰) العقائد الاحمدیة' فصل الایمان زیادة ونقصانا فیه وکنهه۔

(۱۴۱) فضل الباری' ج۱' ص ۲۵۹۔

(۱۴۲) شرح المقاصد' ج۵' ص ۲۱۴۔

(۱۴۳) شرح المقاصد' ج۵' ص ۲۱۴۔

(۱۴۴) العقیدة الطحاویة' فصل فی تعریف الایمان' وما ینقصه ویزداده۔

(۱۴۵) فضل الباری' ج۱' ص ۲۶۴۔ ۲۶۹ ملخصًا۔

(۱۴۶) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب فان تابوا واقام الصلاة واتوا الزکاة فخلوا سبیلهم۔وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله الا اللّٰه ......

(۱۴۷) صحیح البخاری' کتاب الصلاة' باب فضل استقبال القبلة یستقبل باطراف رجلیه۔

(۱۴۸) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰة المصابیح' کتاب الایمان' الفصل الثانی۔

(۱۴۹) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان تفاضل الاسلام وأی اموره افضل۔

(۱۵۰) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ارکان الاسلام ودعائمه العظام۔ وصحیح البخاری' کتاب الایمان' باب بنی الاسلام علی خمس۔

(۱۵۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان عدد شعب الایمان وافضلها وادناها۔

(۱۵۲) شرح المقاصد ' ج۵' ص ۲۰۷۔

(۱۵۳) ایضاً۔ ج۵' ص ۲۰۹۔

(۱۵۴) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد' ج۱' ص ۵۹ ' کتاب الایمان' باب ای العمل افضل وای الدین احب الی اللّٰه۔

(۱۵۵) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب دعائکم ایمانکم و کتاب التفسیر' باب وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین للّٰه۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ارکان الاسلام ودعائمه العظام۔

(۱۵۶) شرح المقاصد' ج۵' ص ۲۰۷۔

(۱۵۷) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعة۔

(۱۵۸) مسند احمد' ج۳' ص ۱۳۴'۱۳۵' مسند سیدنا انس بن مالکؓ۔

(۱۵۹) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب من قال ان الایمان هو العمل۔

(۱۶۰) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد' ج۱' ص ۵۹ کتاب الایمان' باب أی العمل افضل وای الدین احب الی اللّٰه ۔

(۱۶۱) فتح الملهم شرح صحیح مسلم' علامه شبیر احمد عثمانی' ج۱' ص ۴۲۸و۴۲۹ ۔

تعارف وتبصرہ

(۱)

نام کتاب : اسلام اور انتہا پسندی

ضخامت:182 صفحات قیمت:درج نہیں ناشر:سیکرٹری'اسلامی نظریاتی کونسل'اسلام آباد

اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان کا ایک اہم ادارہ ہے جس کی ذمہ داری ہے کہ ملکی مسائل کا جائزہ لے اوران کے حل کے لیے سفارشات پیش کرے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اس ادارے نے ۲۰۰۵ء میں اسلام اور دہشت گردی کے عنوان سے ایک رپورٹ شائع کی جس میں حقیقت پسندانہ انداز میں موضوع کے ساتھ انصاف کیا گیا ہے اور دہشت گردی کا تعلق اسلام کے ساتھ جوڑنے کو بے انصافی قرار دیا گیا ہے' کیونکہ اسلام تو امن اور سلامتی کا دین ہے۔

دہشت گردی کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے' مگر دہشت گردی ہے کہ بڑھتی ہی جارہی ہے۔ چونکہ دہشت گردی کا انتہا پسندی کے ساتھ گہرا تعلق ہے اس لیے اسلامی نظریاتی کونسل نے اس صورتِ حال کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے زیر تبصرہ کتاب شائع کی جس میں موضوع سے متعلق معروف تجزیہ نگاروں کی آٹھ تحریریں شامل ہیں' جن میں انتہا پسندی کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اوراس کے اسباب کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ خاص طور پر اس چیز کو نمایاں کیا گیا ہے کہ جب دو گروہوں' دو مسلکوں اور دو مکاتبِ فکر کے درمیان اختلافی مسائل پر بحث ہوتی ہے تو مشتعل مزاج لوگ آپے سے باہر ہوکر مخالف کو تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہیں سے انتہا پسندی جنم لیتی ہے اور اگر اس مرحلے پر حکمت کے ساتھ اس معاملے کو نپٹا نہ لیا جائے تو حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ تمام مسالک کے قائدین اپنے معتقدین کو صبر وتحمل اور برداشت کی تعلیم دیں تو انتہا پسندی کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

کتاب کے نویں باب میں اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے انتہا پسندی کو ختم کرنے کے سلسلہ میں کی جانے والی کوششوں کا ذکر ہے۔ پھر دسویں باب میں اس مسئلے کے اسباب اور وجوہات کا جائزہ لیا گیا ہے اور تفصیل کے ساتھ تجاویز اور سفارشات قلمبند کی گئی ہیں جن پر نیک نیتی کے ساتھ عمل کرنے کے نتیجہ میں انتہا پسندی ختم نہیں تو کافی حد تک کم ضرور ہوسکتی ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے یہ کتاب ایک مفید اور اچھی کوشش ہے۔

(تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ)

(۲)

نام کتاب : مسلمانوں کا دینی اور عصری نظامِ تعلیم

مصنف : ڈاکٹر محمود احمد غازی

ضخامت:256 صفحات قیمت:175 روپے ملنے کا پتہ: ☆ الشریعہ اکادمی ہاشمی کالونی' کنگنی والا' گوجرانوالہ

یہ کتاب معروف دینی سکالر اور محقق ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مختلف محاضرات پر مشتمل ہے جو انہوں نے متفرق مواقع پر دیے۔ ڈاکٹر صاحب کو اسلامی علوم پر تحقیق کی خصوصی صلاحیت سے نوازا گیا ہے۔ اس کے علاوہ گفتگو کا سلیقہ اور مؤثر پرایہ بیان میں آپ منفرد اسلوب کے مالک ہیں۔ قرآن' حدیث' سیرت اور فقہ پر آپ کے گراں مایہ خطبات کتابی شکل میں شائع ہو کر قبولِ عام حاصل کر چکے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب بھی آپ کے ان خطبات اور تقاریر پر مشتمل ہے جن میں عصری اور دینی تعلیم پر حقیقت پسندانہ گفتگو کی گئی ہے۔ یہ آٹھ خطبات کا مجموعہ ہے۔ ان خطبات میں نہایت مؤثر انداز میں اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ دینی مدارس میں کہاں کہاں اصلاح کی ضرورت ہے اور اس دور میں علمائے کرام کا جدید عصری علوم سے واقف ہونا کس قدر ناگزیر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے ان آٹھ خطبات کو بڑی کاوش کے ساتھ سید عزیز الرحمٰن (دار العلم والتحقیق کراچی) نے مرتب کیا اور الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ نے شائع کیا ہے۔ کتاب میں دیے گئے خطبات کے عنوان درج ذیل ہیں:

(۱) دینی مدارس: مفروضے' حقائق' لائحہ عمل

(۲) قدیم و جدید تعلیم میں ہم آہنگی

(۳) مسلمانوں کی تعلیمی روایت اور عصرِ حاضر

(۴) اکیسویں صدی میں پاکستان کے تعلیمی تقاضے

(۵) مغرب کا فکری اور تہذیبی چیلنج اور علماء کی ذمہ داریاں

(۶) دینی مدارس میں تخصص اور اعلیٰ تعلیم و تحقیق

(۷) مسلکی اختلاف اور اس کی حدود

(۸) عصرِ حاضر میں علماء کی ذمہ داریاں

جہاں یہ کتاب مدرسین' علومِ اسلامیہ اور تعلیم و تعلم کے ساتھ تعلق رکھنے والے افراد کے لیے مفید ہے وہاں دار العلوموں' کالجوں اور یونیورسٹیوں کے منتظمین اور شعبۂ تعلیم سے منسلک حکومت کے اربابِ حل و عقد کے لیے اس میں راہنمائی موجود ہے کہ وطن عزیز میں نظامِ تعلیم کی تنظیم و تنفیذ کس انداز سے کی جائے کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں جدید عصری تقاضوں پر پورے اترنے والے علماء و فضلاء تیار ہو سکیں۔

کتاب میں کمپوزنگ کی غلطیاں موجود ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔

(تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ)

نام کتاب : فہمِ توحید
مؤلف : الشیخ عبداللہ بن احمد الحویل مترجم: ابوعمرو حافظ طاہر اسلام عسکری
ضخامت: 176 صفحات قیمت: درج نہیں
ناشر: دار الامة للنشر والتوزیع

بلاشبہ تمام انبیاء ورسل کی بعثت کا مقصد لوگوں کو شرک وظلم کے اندھیروں سے نکالنا اور لوگوں کا اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ عبد ومعبود کا تعلق ورشتہ قائم واستوار کرنا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر اپنی آخری کتاب میں شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات پر جس قدر زور دیا' کسی دوسرے معاملے میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ چونکہ یہ اللہ کی طرف سے آخری ہدایت نامہ ہے جو تا قیامِ قیامت آنے والے انسانوں کے لیے نور اور ہدایت کا اوّلین اور واحد سرچشمہ ہے' اس لیے اس کتابِ مبین میں شرک کی بھرپور مذمت کی گئی ہے تاکہ ہدایت کا متلاشی انسان کہیں شیطانِ لعین کے ہتھکنڈوں میں نہ پھنس جائے۔ اسی طرح توحید کے ہر ہر پہلو کی جس طرح توضیح اور تشریح کی گئی ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے' کیونکہ اسی عقیدۂ توحید میں انسان کی دنیا و آخرت کی فلاح وکامیابی کا راز مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ شرک کی قباحت اور سنگینی کو واضح کیا ہے اور شرک کو ایک ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ جو شخص شرک سے توبہ کیے بغیر مرگیا' اللہ تعالیٰ اس کی بخشش نہ فرمائے گا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾ (النساء)

''اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا' اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا کسی کو اس نے بہتان باندھا اللہ پر (اور ارتکاب کیا) بہت بڑے گناہ کا۔''

ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا کہ مشرک پر جنت حرام ہے اور وہ دائمی جہنمی ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾

''جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے' اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

نبی اکرم ﷺ نے شرک کے متعلق فرمایا:

process started through the interaction of the stuff of all created objects (i.e. earthen soil or clay) and the source of all living/organic beings (i.e. water). And thus emerged the organic compounds leading to the first tiny living amoeba --- the starting point of the biological or living realm that evolved and passed through myriad stages. Indeed, this completes the third stage in the hierarchy of descents from the Supreme Creator, which in a way also marks the first stage of evolution. This very truth has been beautifully expressed in a Persian couplet of Baydil roughly translated into English thus:

> "Two realms (of "*khalq*" and "*amr*") have been consumed in the creation of a prototype of living being,
> O spring flower of nothingness! Be mindful of your lofty status"

★ ★ ★ ★ ★

(To be continued)

''اے لوگو! شرک سے بچو' کیونکہ یہ چیونٹی کے چلنے کی آواز سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔''

قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق دنیا اور آخرت میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اس گناہِ عظیم سے اپنا دامن بچانا ازبس ضروری ہے۔ زیرِنظر کتاب ''فہم توحید'' اسی موضوع سے متعلق ہے اور الشیخ عبداللہ بن احمد الحویل کی عربی کتاب ''التوحید المیسّر'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کی یہ خوبی ہے کہ فاضل مؤلف نے قرآن وسنت میں اس اہم ترین موضوع سے متعلق بکھرے ہوئے مواد کو حسنِ ترتیب' اختصار اور جامعیت کے ساتھ یکجا کر دیا ہے۔ گویا اس کتاب میں توحید سے متعلقہ اہم مباحث کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ یکجا کر کے ''دریا کو کوزے میں بند کرنے'' کی مثال قائم کر دی ہے۔ اس کتاب میں توحید کی تعریف' اقسام' اہمیت وفضیلت اور توحید کی ضد یعنی شرک کی تعریف' اقسام' مثالیں' تاریخ اور سنگینی وسزا سے لے کر عقائد وعبادات کے ارکان اور جزئیات تک مختصراً سب کچھ موجود ہے۔ مزید برآں اس کتاب میں توسل ووسیلہ' غیر اللہ کی نذر ونیاز' استعانت' استغاثہ' استعاذہ' شفاعت' زیارتِ قبور' جادو' غیب دانی' علمِ نجوم' بدفالی' بدشگونی' غیر اللہ کی قسم کھانا' ریاکاری اور حصولِ دنیا کی خاطر عبادت کرنے جیسے اہم موضوعات کی شرعی حیثیت کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع اور حسن کے اعتبار سے واقعتاً اس لائق ہے کہ اس کا اردو ایڈیشن' اردو دان طبقے کے ہر گھر میں ہو' اور گھر کا ہر فرد اس سے مستفید ہو۔

اس کے مترجم حافظ طاہر اسلام عسکری صاحب ہیں جو قرآن اکیڈمی لاہور میں بطور ریسرچ ایسوسی ایٹ بھی کام کر چکے ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر اس کا اردو میں ترجمہ کرنا واقعتاً ایک مستحسن امر ہے اور اس دینی خدمت پر وہ یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس وقیع دینی وعلمی کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے اور عوام الناس کو اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(تبصرہ نگار: ذیشان دانش خان)

Since they are essentially created beings (and therefore belong to the realm of *khalq*), their movement is always in time, though they can travel and move at a tremendously fast speed on account of the subtle and non-dense source of their origination. Thus they can easily and speedily reach the farthest corners of the heavens for which we humans have to spend trillions of Dollars. And as a matter of fact human beings have not yet gone as far as the *jinn* have access to. Lastly, *jinn*, like angels, can assume various forms. For example angels can appear in the form of human beings as we read in Surah *Maryam*: ".....and he appeared to her in the semblance of a man." [*Maryam*, 19:17] Similarly, *jinn* in addition to human form can take the form of animals and reptiles etc, particularly snakes.

Going back to the scientists' and cosmologists' views about the creation of the universe, the acceptance of Big Bang Theory by them definitely repudiates the old belief based on the Newtonian Physics with regard to the eternity of material universe. Now researchers are almost unanimous in asserting that the physical universe came into being twenty billion years ago as a result of a Big Bang. If asked when and where exactly this Big Bang took place, the theoretical physicists simply reply that there was no time and space before the explosion and therefore, the question itself is meaningless. Similarly, they totally avoid and keep silent about the question as to who brought about this Big Bang explosion as this obviously demands a Necessary and self-existent Creator. Moreover, the scientific and naturalistic method is, by its very nature, unable to appreciate the realm of *amr* and its entities preceding the realm of *khalq*.

THE THIRD STAGE OF DESCENT

The third stage of descent began when, as stated above, planets with extremely high temperature cooled and so did the planet earth. The cooling off process produced two results. Firstly, just as a burning coal after a while gathers ash at the outer surface, similarly a layer of clay appeared on the outer surface of the earth. This "crust" of the earth in due course of time became the origin and source of all forms of earthly life --- vegetative and biological. Secondly, the exhaled steam or vapors emitted from the earth enveloped the planet and thus constituted its atmosphere. The combination of hydrogen and oxygen in the atmosphere led to the emergence of water which in turn became the source of all forms of life on earth, as the Quran asserts: ".....and that We made every living thing of water." [*Al-Ambia*, 21:30] Taking the form of clouds, it rained torrentially on earth for a long spell of time. At this stage of creation there was perhaps nothing on earth except water and probably this was referred to by the Quran in these words: ".....and His Throne was on water....." [*Hud*, 11:7] As a result of the cooling of the earth, its outer crust shrank making its surface at some points high (where we now see mountains and plateaus); while some other areas were turned into deep pits which were filled by rain water and eventually became oceans. And then with the passage of time, chemical fermentation and evolutionary

measured; cosmology may come to be ruled more by aesthetic preference or prejudice than by the traditional principles of science. In fact, some scientists claim that the new physics has freed itself from the old mechanistic world-view found within Newtonian physics and moved much closer to the world-view of religion. The two basic theories of modem physics --- quantum theory and the theory of relativity --- seem to contain certain features of the theological world-view, in particular the incredible interconnectedness of things and the fundamental unity that underlies the entire universe from the microcosm to the macrocosm.

The above paragraphs go a long way to vindicate that in a part of the realm of light (*noor*) --- through the Divine word of *Kun* --- an explosion of dense matter took place, which according to current cosmological theories marked the origin of the cosmos, the galaxies and planets including the solar system and our earth. For a believer of Quranic metaphysical world-view, it is very easy to imagine that the "Big Bang" was the effect of another word "*Kun*" of Allah (*SWT*) that took place in a part of the sphere of ethereal *noor*. Heat and fire are the main characteristics of this phase of creation. In the beginning a fireball of radiation at extremely high temperature and density, but occupying a tiny volume, is believed to have formed. According to Steven Weinberg (1933---), a leading astrophysicist, this fire consisted of tiny particles of electrons, positrons and neutrons with extremely high degree of temperature --- probably one hundred thousand million degrees centigrade. This expanded and cooled, extremely fast at first, but more slowly as sub-atomic particles condensed into matter that later accumulated to form galaxies and stars. The galaxies are currently still retreating from one another. What was left of the original radiation continued to cool and has been detected as a uniform background of weak microwave radiation. The important point to note is that at this stage *jinns* were created by Allah. Both the Quran and the *hadith* describe the *jinn* as a definite species of living and personalized beings who enjoy a certain amount of free will and will thus be called to account on the day of judgement.

As the words *noor* and *naar* --- the essential originative substance of angels and *jinn* --- are phonetically close, similarly *jinn* have special affinity with angels. That is why Azazeel, on account of his immense piety and great devotional service, associated with angels of lower stature. Generally the *jinn*, however, cannot rise up to the lofty station of highly elevated angels. They nevertheless do try to steal away some information from the angels when they descend on earth for the execution of Allah's plan and orders. The following parts of two verses of the Quran describe these points:

> ".....except him who snatches away something....." [*As-Safaat*, 37:8]
>
> ".....but he who listens by stealth is pursued by a visible flame." [*Al-Hijr*, 15:10]

To justify this picture, it was postulated that the density of matter remains constant through continuous creation of "new matter". The universe would, therefore, look more or less the same at times and one could say that it is not static but is in a steady state. Today, however, in view of the available evidence in support of the Big Bang Theory, especially from the COBE satellite, almost all cosmologists have no interest in the Steady State Theory. The Big Bang Theory provides a mathematical description for the evolution of the cosmos, according to which the universe started from an infinite density and very high temperature and then expanded, thinned out, and cooled. As stated above, in this stage of *naar* (fire) the self-conscious and freedom-enjoying beings created by Allah were *jinns*. As the Quran says:

> "Whereas the *jinns* We had Created, (long) before that, out of the fire of scorching winds." [*Al-Hijr*, 15:27]

The cosmogony of the Quran is a specifically creation theory. The Quranic account of creation is distinctive in its thoroughness (creation *ex nihilo*) and in its impact upon both philosophy and science. A Muslim believer sees the cosmos as a contingent, derivative world, a world with creaturely status. The Quran affirms that Allah created out of nothing whatever through the Divine word of "*kun*". The core of this belief is indeed the world's ontological dependence upon God. Since Allah created the cosmos and time together, his creative and sustaining act must be said to fall outside the temporal dimension, and likewise his "purposing" and "willing". Even the most alluring analogues to eternal existence --- the "timeless moment" of aesthetico-mystical experience, or extrapolation from experiences of a "specious present" --- shed little or no light upon the concept of a timeless willing or purposing to create. Nor do they illuminate the conception of God as sustaining the world from moment to moment --- the eternal and non-temporal supporting a world existing in time. The recession of the galaxies, the "expanding" of the universe has seemed to some cosmologists also to imply a "beginning", a primordial state of immense density, the centre from which expansion and dispersion subsequently took place.

The old paradigm and its classical materialism within the fields of both physics and astronomy have become increasingly out-dated. A whole range of phenomena in sub-atomic/astro physics and astronomy are now being seriously considered. Scientists are working in areas that force them to revise their observational methods, to invent new and more flexible models and to develop more subtle mathematical procedures for interpreting their experimental data. Particle physicists cannot see directly into the sub-nuclear world they wish to explore and must therefore work indirectly and inferentially. Modern cosmologists have no hope of ever seeing for themselves the creation of the universe, and infer from that they now see what must have taken place at the beginning of time. In cosmology, as in particle physics, experimental or observational evidence is being replaced with theory and speculation, which is increasingly removed from what can be

THE SECOND STAGE OF DESCENT: *KHALQ*

The second stage of descent (of the realm of *amr*) to the realm of *khalq* (i.e. physical creation) is the first station of primal material creation of which present-day cosmologists and astrophysicists have started to have some vague and quasi-speculative idea.

The modern science of nature expressly limits itself to the corporeal domain alone, which it isolates from the total realm of being while considering things in their purely spatial and temporal phenomenality, as if suprasensible reality with its differing levels were nothing at all and as if that reality were not knowable by means of the intellect or suprasensible source. The second stage of descent of the creativity of Allah is the beginning of the realm of *khalq* with which modern scientific and cosmological theories are concerned. Researchers have mapped out physical reality, ranging from the micro realm of quarks and electrons to the macro realm of planets, stars and galaxies. Physicists have shown that all matter is ruled by a few basic forces of gravity, electromagnetism, and the strong and weak nuclear forces. The universe exploded into existence 15 billion years ago. Then 4.5 billion years ago, the disintegrating fragments of an exploding star, evolved into our solar system. Modern science seems unable to synthesize and summarize its body of knowledge into a comprehensive whole, possibly because it lacks elements of the sacred and the revealed guidance that are as real and truly experienced within man as they are manifested within the external world of Nature. Even in the realm of *khalq*, there is the creation of *jinn* who are non-physical and therefore invisible. *Jinns*, though incorporeal and invisible, are creatures of *alam-e-khalq* and the material out of which they were shaped is fire. In the Quranic ontosophy the stage of the creation of *jinns* is temporally prior to the creation of humans and is of utmost importance as the *jinn* (Azazeel by name) who refused to prostrate before Adam, was called Satan by Allah --- the archenemy of Adam and his progeny till the Doomsday.

Among a few of the cosmological beliefs that lasted for long was the belief in static universe. With the discovery of the general expansion of the universe, it seemed natural that if universe is expanding then as much as we move backward in time, the universe should be more condensed until we arrive at an infinitely dense and small point from which the universe began, which is substantially the same as the concept of Big Bang Theory. Although Hubble's discoveries supported this picture but they were not, in their own, sufficient to convince scientists to accept the Big Bang Theory. The Steady State Theory, for instance, while accepting the expansion of the universe, attempted to suggest an interpretation that nevertheless avoided any "beginning" or "end" of the cosmos. Hermann Bondi (1919-2005), Thomas Gold (1920-2004) and Fred Hoyle (1915-2001) were the originators of this theory in 1948, and for about two decades it was considered the leading competitor to the Big Bang Theory. According to the Steady State Theory, if the universe is expanding forever, there is no need for the initial Big Bang.

are related to this first stage in the process of devolution. And at this stage the two categories of beings created from this ethereal and simple light were not only conscious and personified individuals but also self-conscious beings. One of these categories consisted of all the highly honored angels whose number cannot be encompassed, including the Archangel Gibraeel --- the *rooh* of holiness/the-trustworthy *rooh*. The following *ayah* refers to the huge number of the angels:

> "And no one knows the battalions of your Lord except Him ....." [*Al-Muddathir*, 74:31]

It has already been noted that there is an authentic *hadith* narrated by Ayesha in which it is explicitly stated that the angels were created from light. The other category of self-conscious beings that was created from the primal *noor* consisted of the spiritual souls of all the human beings who were to ever appear on the surface of the earth, including those of Prophet Adam and Prophet Muhammad. It was from a collective assembly of these human fully self-conscious spiritual souls who were, according to a *hadith* narrated by Abu Hurairah and reported by Imam Muslim, in the form of "huge multitudes" that Allah took the Primordial Covenant of "Am I not your Lord?" The Quran narrates that Allah asked the collective assembly of the human souls the question: "Am I not your Lord?" and ".....they all said: Yea! Most certainly". [*Al-Aaraf*, 7:172] After taking this Primordial Covenant the repose of the "first death" was imposed on these souls and they were carefully placed in a "storehouse of souls". It is from this resting place that they are lifted when the time comes to "blow" them into the physical body of the human fetus who has been gestating in the mother's womb. As already mentioned, there is an opinion among some of the scholars that the "storehouse of souls" is that archangel *al-rooh* that is mentioned three times in the Quran alongwith angels with the conjunctive "and" appearing between the two [*Al-Maarij*, 70:4; *Al-Naba*, 78:38; *Al-Qadr*, 97:4]

It must be emphasized that in this domain of "light" that came into existence at the first stage of descent, the dimension of serial time did not exist. Consequently, the beings that are blessed with existence at this stage are unbound by the limitations of time and space. In other words, it takes the angels and the human spiritual souls no "time" to travel from the heaven to the earth or from the earth to the heaven, to say nothing of traveling from the East to the West or vice versa. In other words, they can do this instantaneously.

In the above pages, I have explored the ethereal, spiritual and primeval ontological plane of existence --- the very first realm in the process of descent from the Creator. The created beings of this realm are prior to the creation of space and time and thus belong to the sphere of transcendent, primordial and purely spiritual realm.

distinction of being the first was the "*noor*" or spiritual soul of Prophet Muhammad.

Here, it must be emphasized that just as the Quran has identified the human spiritual souls and the angels (both of whom are not only conscious but also self-conscious) as being related to the domain of *amr*, in exactly the same manner the Quran has also identified the speech and communication between the human spiritual souls and the angels as belonging to the domain of *amr*, the technical term for such communication being *wahi* or revelation. The speech and communication of Allah with the human spiritual souls and angels is also related to the domain of *amr* and referred to as *wahi*. The following two *ayaat* of Surah *Al-Shura* offer the most comprehensive and outstanding Quranic account of this matter --- so comprehensive and outstanding regarding the subject of *wahi* that there is no other parallel for them anywhere else in the Quran:

> "And it is not given to any mortal that Allah should speak unto him other than through revelation (*wahi*), or from behind a veil, or by sending an (angel as an) apostle to reveal, by His leave, whatever He wills (to reveal); for, verily, He is Exalted, Wise. And thus, too, (O Muhammad) have We revealed unto thee a *rooh* from Our *amr*. (This revelation came to you) you did not know what revelation is, nor what faith is; but we have caused this (to be a *noor*, whereby We guide whom We will of Our servants, and verily (on the strength thereof), you too shall guide (people) unto the straight way." [*Al-Shura*, 42:51-52]

In these two *ayaat*, the resplendence with which the terms *rooh*, *amr*, *wahi* and *noor* have been mutually associated with each other is not only magnificent, it is also eye-opening and immensely thought-provoking. In the context of the present discussion these *ayaat* are of utmost importance because the argument that has been presented above regarding the process of descent from the original Eternal and Necessary Being to the observable particulars of possibility and contingency, has revolved around the meaning and significance of these four terms and that is why, in my opinion, the above-mentioned two verses of Surah *Al-Shura* are topmost in shedding light on this subject.

★ ★ ★ ★ ★

In summary, the first stage in the long journey from genesis and "the event of creation" at the metaphysical level to the "process of creation" and "shaping" --- in other words, the first level or station of the series of descents --- relates to various Quranic locutions like *kalimah*, *kalimat*, *rooh*, *wahi*, *amr* and the command *Kun* (Be!). Probably the Divine Word "Be!" takes the form of a singularly subtle and simple "light". This "light" did not emit any heat and was also free from any commotion or movement. The oft-used and extremely important Quranic terms *kalimah* and *kalimaat*, *rooh* and *wahi*, *amr* and *noor*

1. It is quite obvious that the Quran designates Divine Revelation as being *noor*. In Surah *Maidah* [5:44-45], the Torah and the Gospel are both referred to as being "..... guidance and light", and in Surah *Al-Anaam* [6:91] the words "..... light and guidance for humanity" are used to describe the Torah. In the same manner Allah used the tern *noor* to refer to the Quran itself. In Surah *Al-Maidah* [5:15], the Quran is called ".....a light and a clear writ". In Surah *Al-Aaraf* [7:157], the Quran is called the ".....light that has been sent down with him (Muhammad) ....." In Surah *Al-Taghabun* [64:8], the words ".....the light that We have sent down ....." are used to describe the Quran.
2. In an authentic *hadith* narrated by *ummul momineen* Ayesha, it is explicitly stated about the angels that "Allah created them from light". This *hadith* has been reported by Imam Muslim.
3. In a famous *hadith* that however is not reliable according to the standards set by *hadith* scholars but which is nonetheless oft-quoted by mystical sages and by many commentators of the Quran, the term *noor* is used to describe the spiritual soul of Prophet Muhammad. In this *hadith*, the Prophet says: "The first thing that Allah created was my *noor*." Similarly, there is another *hadith* (the authenticity of which has not yet been ascertained by me) in which the Prophet gave the following reply to his companion Jabir's query as to what was the first item that was created in all of the created order: "the *noor* of your Prophet, O Jabir, the *noor* of your Prophet!" It was reported to me by reliable sources that Late Maulana Ghulam Murshid (1894-1979) --- a well-known Quranic scholar of Lahore --- used to quote this *hadith* in his discourses.
4. As far as the Being of Allah is concerned, the word "*noor*" is the best similitude that can be used, keeping in mind the finitude and limitations of the human mind. In Surah *Al-Noor* [24:25], we read the following words: "Allah is the light of the heavens and the earth." And in an authentic *hadith* narrated by Ayesha it has been stated that since Allah is *noor*, He cannot be seen.

In light of the evidence presented above, is it too far-fetched to conclude the following? In relation to the process of bringing into being the entirety of creation, the initial Divine Word "Be!" took the form of an heavenly, simple and indivisible light during the first stage of its devolution. By means of the ontological stuff of this light, Allah bestowed the honor of existence to the angels and the human spiritual souls, whose essence is light and each of whom possesses not only an individual personality and consciousness but is also endowed with the supreme blessing of self-consciousness.

And one cannot consider it at all impossible if, out of the angels and human spiritual souls that were created from light, the one who received the

and the angels" is used: *Al-Naba* [78:38]. While there are various other opinions too, the majority position is that this phrase is a conjunction between the general and the specific (in the first two references) and between the specific and the general (in the last reference) where the specific (*al-rooh*) refers to Archangel Gibraeel. An oft-cited minority opinion, however, is that the reference here is to the human souls or to that most exalted angel who is the repository of human souls.

3. In Surah *Al-Mujadilah* [58:22] the phrase ".....He strengthened them with a *rooh* from Himself" is used to describe the invisible succor that Allah bestows upon the believers during their temporal existence. This succor refers to the support that comes to believers from the unseen (spiritual) realm of reality and in light of other references in the Quran (*Al-Anfal*, 8:112 and *Aal-e-Imran*, 3:124-125), it appears that this most likely means the succor which comes to the believers through the agency of angels.
4. The term *rooh* has been used six times in the Quran by Allah as an additional referent in relation to His Exalted Being. Three times this term is used in the context of the process of the "creation", "moulding" and "fashioning" of the human being. After the physical body of the human being was "created" and "shaped" out of clay, Allah blew from ".....My *rooh* (or ".....His *rooh*")". The three places in the Quran where the word *rooh* is used in relation to this process are: *Al-Hijr* [15:29], *Al-Sajdah* [32:9] and *Saad* [38:72]. And on three occasions this term is used in relation to the conception of Prophet Isa. Twice (*Al-Anbia*, 22:91 and *Al-Tahreem*, 66:12) it is mentioned that ".....We breathed of Our *rooh* into that ....." which was in the womb of Maryam. And at one place (*Maryam*, 9:17) the term ".....Our *rooh*" explicitly refers to the angel that was sent to Maryam to give her the glad tidings of the noble child she was to give birth to.
5. Lastly, and in the context of the present discussion most importantly, in Surah *Al-Nisa* [4:171] where the term *kalimah* is used to refer to Prophet Isa, the phrase ".....a *rooh* from Him" is also used.

In light of the evidence that has been presented above, the following point is absolutely clear and beyond doubt: there is an intimate and intrinsic relationship between the *kalimah* (or word) "Be!" of Allah, His *amr* and the term *rooh*. And the angels, the souls of the human beings, and Divine Revelation belong more or less to the same spiritual reality.

★ ★ ★ ★ ★

The intimate and intrinsic relationship among the angels, human spiritual souls, and Divine Revelation --- and the close relation of all three of them to the Being of Allah --- is clearly demonstrated by another frequently used Quranic term, *noor*, meaning light. This can be substantiated thus:

i. "And they ask you about the *rooh*. Tell them that the *rooh* is from the *amr* of my Lord....." [*Al-Isra*, 17:85]

ii. "He causes the angels to descend with the *rooh* that is from His *amr* upon whomever He wills of His servants." [*Al-Nahl*, 16:2]

iii. "He bestows the *rooh* that is from His *amr* upon whomever He wills of His servants. [*Al-Momin*, 40:15]

iv. "And thus We have revealed unto you (Muhammad) a *rooh* that is from Our *amr*." [*Al-Shura*, 42:52]

Concerning the first *ayah* quoted above [*Al-Isra*, 17:85], some interpreters are of the opinion that the term *rooh* refers to Divine Revelation, but the majority opinion is that it refers to the human spiritual soul. In the second [*Al-Nahl*, 16:2] and third [*Al-Momin*, 40:15] *ayaat* quoted above, the term *rooh* definitely refers to Divine Revelation that came to the prophets. In the fourth *ayah* [*Al-Shura*, 42:52], the term *rooh* refers specifically to the Divine Revelation (the Quran) that was sent to Prophet Muhammad. But, generally speaking, according to the majority opinion it refers to the human spiritual soul. Whatever the case may be regarding the specific meaning of the term *rooh*, the point to note is that it has a close and intrinsic relationship with the term *amr*.

★ ★ ★ ★ ★

Now when we scrutinize the other uses of the term *rooh* in the Quran, the following picture emerges:

1. At four places the phrase *rooh-al-qudus* (the *rooh* of holiness) is used: *Al-Baqarah* [2:87], *Al-Baqarah* [2:253], *Al-Maidah* [5:110] and *Al-Nahl* [16:102]. And in one place the phrase *al-rooh-ul-ameen* (the trustworthy *rooh*) is used: *Al-Shura* [26:193].Below are given the English translation of these verses:
   i. "We gave Isa, the son of Maryam, veritable signs and strengthened him with the Holy Sprit." [2:87,253]
   ii. "The Allah will say: Isa, the son of Maryam, remember the favor I have bestowed on you and on your mother; how I strengthened you with the Holy Spirit, so that you spoke to men in the cradle and of age." [5:110]
   iii. "Say: The Holy Spirit brought it down from your Lord in truth to reassure the faithful, and to give guidance and good news to those who surrender themselves to Allah." [16:102]
   iv. "The Trustworthy Spirit has come down with it." [26:193]

According to the overwhelming majority of scholars, the reference is to the Archangel Gibraeel (Gabriel) in all these places.

2. At two places the phrase "the angels and the *rooh*" is used: *Al-Maarij* [70:4] and *Al-Qadr* [97:4]. In one place the phrase "the *rooh*

this reason that Shaikh Ahmad Sirhindi has identified the sum total of all the realms of existence and all temporal creatures as being the "shadows" of the Names and Attributes of Allah.

★ ★ ★ ★ ★

At this stage in the discussion, reference to the opening verses of the Gospel of John is quite pertinent and interesting even though even though it is plainly clear that these verses are more the reflection of a sharpened theological intellect than the revealed words of Divine Speech.

> "In (the) beginning the Word was, and the Word was with God, and the Word was a god. This one was in (the) beginning with God. All things came into existence through him, and apart from him not even one thing came into existence." [*John*, 1:1-3]

★ ★ ★ ★ ★

Just as the term *kalimah* is a significant and fundamental term of the Quran, the term *amr* is also a profound and oft-used Quranic locution. The term *amr* is sometimes used in the sense of "concern" or "affair", sometimes in the sense of "command" or "judgment", sometimes in the sense of "control" or "authority", and sometimes in the sense of any "talk" or "matter" (particularly in Urdu). In addition to this variety of meanings, the word *amr* carries a specific and special meaning in the Quran where it is used in contrariety to the word *khalq*, or at least in contrast to it. In Surah *Al-Araf* [7:54], the conjunctive "and" is placed between *khalq* and *amr* and both are collectively identified as being under the dominion and control of Allah. But, surely, at the same time it establishes and puts in bold relief distinct separation and contrariety between the two terms.

> ".....behold! The *khalq* and *amr* (belong) to Him. Hallowed is Allah, the Lord of all the worlds." [*Al-Araf*, 7:54]

Two points of great significance need to be understood regarding the term *amr*:

a) Without any exception, all the Quranic *ayaat* that refer to the process initiated by the Divine *Kalimah* "Be!" whereby "it becomes instantaneously" use the term *amr* --- the term *khalq* is not used in any of these *ayaat*. In other words, nowhere in the Quran does it say something like ".....and when He wills a thing (*khalq*) to be, He but says unto it, "Be!" --- and it is." It is beyond the resplendence of the Quran that this exclusive use of the term *amr* in conjunction with the Divine Word "Be"--- to the exclusion of the term *khalq* --- is a mere accident without a real and significant reason.

b) The term *amr* is intimately related to the term *rooh*. In the words of the Quran:

added to the aforementioned three elements to "determine" and "guide" the human being --- and beyond the domain of ratiocination or rationality there is nothing but "Divine Revelation". The functioning of the entirety of creation depends on these laws and the specific realm to which a specific portion of creation belongs --- this normal functioning of the created order does not require any additional Divine Word "Be!" But wherever there is a need to alter the normal functioning of the created order --- to alter the normal chain of "cause and effect" in order that a special Divine Decree be enacted --- then there is the need for a new Divine Word "Be". In common parlance, in the case of the breakage of the normal chain of cause and effect (usually called a non-natural or miraculous happening), a new Divine Word "Be!" is inserted, so to say, at the point where one of the links in the normal chain of causation is missing. The virgin birth of Jesus is an illustration of this very process where the Divine Word replaced a missing link in the chain of causation by virtue of which a woman would get pregnant under normal circumstances. According to the normal physical and biological laws the birth of an individual requires both the male and female contribution towards a fertilized ovum which then develops into a human child. But in case of the birth of Isa (Jesus), the contribution of the father is completely missing --- meaning that one of the links in the normal chain of the causal factors of human birth is not there --- and it is this missing link which is replaced by the Divine Word "Be!" Consequently, it is for this very reason that Isa (the son of Maryam) is referred to in the Quran as ".....a Word from Allah", ".....a Word from Him", "His Word".

★ ★ ★ ★ ★

It is a matter of consensus among the noted theologians that the "speech" is an attribute of the "speaker". It is on this basis that Allama Iqbal has referred to the Quran as being "like God" --- a Divine similitude. And regarding the attributes of Allah it is also a matter of consensus and an accepted axiomatic truth that like Being of Allah, His attributes also possess absolute degree. As regards the relationship between the "Being" of Allah and His "attributes", the only acceptable solution to this seemingly intractable problem is that the attributes are "neither identical nor apart from" the Divine Being. This is the only possible resolution of the issue that must be accepted, irrespective of how contradictory it may appear.

Consequently, the Divine Word "Be!" that was uttered by Allah and that became the starting point of the process of creation, was in the beginning also necessarily "absolute" and "infinite". By extension, this Divine Imperative was also beyond all the categories of quantity and quality. This word "Be!" began to devolve through stages, as a result of which the passage from "Necessity" to "possibility" and from "Eternity" to "contingency" began.

It logically follows that the referent attribution of the process of devolution and descent is not the Being of Allah but to the Divine Word "Be!" It is for

"limitless" in the following two *ayaat* refers to things and matters in the created order. Just as the Knowledge and Wisdom of Allah is limitless, it is entirely possible that this "inexhaustibility" is partially reflected in the domain of created order. If this interpretation is accepted then every single created being would represent the manifestation of a Divine Imperative "Be"! The two *ayaat* are as follows:

> "Say: If all the sea were ink for my Lord's words, the sea would indeed be exhausted before the words of my Lord are exhausted! And (thus it would be) if we were to add to it sea upon sea." [*Al-Kahf*, 17:109]
>
> "And if all the trees on earth were pens, and the sea (were) ink, with seven (more) seas yet added to it, the words of Allah would not be exhausted, for verily Allah is Mighty, Wise." [*Luqman*, 31:27]

Notwithstanding the general rule outlined in the above two *ayaat*, out of the innumerable and limitless creations that Allah has brought into being, the Quran explicitly refers to only Prophet Isa (Jesus Christ) as being the "Word of Allah". In Surah *Aal-e-Imran* [3:39], the Quran describes Prophet Yahya (John) as being one who would ".....confirm the truth of a Word from Allah". And a little later in the same Surah [3:45], the Quran uses the following words to describe Prophet Isa in the context of the glad tidings that the angel came to give to Maryam regarding the virgin birth of a noble child: "O Maryam! Allah sends you glad tiding of a Word from Him." And Surah *Al-Nisa* [4:171] offers even greater details regarding the relation of the "Word" of Allah and Prophet Isa: ".....Verily, the Messiah --- Isa the son of Maryam (Mary) --- is the messenger of Allah and His word that He bestowed upon Maryam....."

The reason for this appears to be the fact that along with the "creation" and "shaping" of everything, Allah also has an established procedure regarding the "apportioning" and "guiding" of everything:

> "Extol the limitless glory of the Lord's name, the glory of the All-Highest who creates (everything), and thereupon forms and shapes it in accordance with what it is meant to be, and who determines (and apportions) the nature (of all that exists), and thereupon guides it (towards its fulfillment)." [*Al-Aala*, 87:1-3]

It is this very "apportioning" and "guiding" that manifest in the realm of inanimate matter in the form of the "laws of nature" or "physical laws". Beyond the realm of inanimate matter, in the realm of plants "biological laws" are added to the "physical laws" to "determine" and "guide" this realm of Allah's creation. Further still, in the animal world, the element of "natural instincts" is added to the aforementioned physical and biological laws to govern the growth and development of the animal kingdom. Further yet in the human realm, the dimension of ratiocination or the "rules of logic" is

the threshold of gaining mastery over the very forces of nature that once threatened the existence of this fragile creature.

It is not without reason that, in the words of the poet-philosopher Allama Iqbal, "even the stars are apprehensive at the ascent (i.e. progress in scientific knowledge and technology) of man". Having gained mastery over the earthly forces of nature through the progressive development of knowledge given to him potentially at the primordial stage of its existence, man's gaze has turned towards the heavens and the stars --- the "final frontier" --- and the explanation of the event of creation. In this booklet, we will try to unravel the cosmogenesis unfolded by a deeper reflection on the highly subtle and profoundly significant Quranic verses and its convergence with certain points of modern cosmological, astrophysical and biological thought.

THE FIRST STAGE IN THE PROCESS OF DESCENT AND THE RELEVANT QURANIC TERMINOLOGY

The Quran identifies the verbal imperative of Allah i.e. "*Kun*" or "Be!" --- the *kalimah* of Allah --- as being the basis and catalyst through which initiated the process of Genesis or the Event of Creation. In the Words of the Quran:

> ".....and when He wills a thing (*amr*) to be, He but says unto it, "Be" --- and it is." [*Al-Baqarah*, 2:117]
> ".....when He wills a thing (*amr*) to be, He but says unto it, "Be" --- and it is." [*Aal-e-Imran*, 3:47]
> ".....Glory be to Him; when He wills a thing (*amr*) to be, He but says unto it, "Be" --- and it is." [*Maryam*, 19:35]
> ".....and when He wills a thing (*amr*) to be, He but says unto it, "Be" --- and it is." [*Al-Momin*, 40:68]

These four *ayaat* are practically of identical meaning, and the conclusion to be derived from them is that, whenever Allah decides on a matter, it is sufficient for Him to utter the verbal imperative "*Kun*" (i.e. Be!) and the matter is done --- the "Word of Allah" is all that is needed in order to bring a thing or event into being. But there are two more *ayaat* that discuss this matter in somewhat greater detail:

> "Whenever We Will anything to be, We but (have to) say unto it Our word "Be" --- and it is." [*Al-Nahl*, 16:40]
> "The (nature) of His *amr* is such that when He Wills a thing to be, He but says unto it, "Be" --- and it is." [*Yaseen*, 36:82]

The relationship between the "*kalimah* of Allah" and bringing of a thing or event into being has a direct bearing on the issue of interpreting the meaning of "*kalimah*". The Quran repeatedly refers to the legal injunctions, individual and social moral decrees, juridical decisions, and ordained laws set by Allah as the *kalimaat* or "Words" of Allah, as all of these matters are indeed the outcome of the "Word of Allah". However, it is entirely possible that the reference to the "Words of my Lord" and the "Words of Allah" as being

Necessity/Eternity to the probability/contingency? Or has there been a process of ascent and evolution involved in all this too?

Classical philosophy and Neo-Platonism offer one possible set of answers to these exceedingly difficult issues. These answers are centered around the hypothesis that "ten intellects" (culminating in the active intellect) and "nine spheres" bridge the gap between the Necessity/Eternity and probability/contingency. In the final analysis, however, any set of answers centering around this hypothesis must be discarded because this hypothesis is neither supported by any evidence from the sources of acquired knowledge (the domain of empirical science and logic) nor by any evidence from the sources of revealed knowledge (the domain of revealed scriptures). In the same vein, some of the mystic sages have hypothesized that six stages of emanation separate the primordial state of Divine Inclusive-Oneness and Exclusive-Unity from the present observable reality of the ephemeral multiplicity of existence. But as is the case with the hypothesis of the philosophers, this position of the sages is neither supported by any evidence from the sources of acquired knowledge nor any evidence from the sources of revealed and traditional knowledge.

This particular issue of great philosophical and academic import (being among the most intractable of such issues) does not receive any direct or detailed treatment in the Quran. As with other such questions that are of pressing concern to only a specific (and tiny) portion of humanity, the Quran relies on subtle pointers in its treatment of this particular issue. The reason for the indirect and allegorical treatment of this and other such issues is the fact that the primary function and intent of the Revealed Word is the detailed discussion of practical matters related to Guidance and the Straight Path. These matters are of immediate and common concern for every human being so that he or she may attain salvation on the Day of Judgment. Consequently, the Quran keeps the needs of ordinary populace in focus and takes into account their intellectual capacities. As a result, the Quran relies upon only general pointers to address issues related to specialized philosophical or academic interest, higher gnosis, and subtle spiritual realities. For those with sharpened intellects and heightened spiritual sensibilities these "general pointers" should be more than enough to shed light on such matters --- as the saying in Persian goes: "For the intelligent, pointers suffice".

At the present stage in the human intellectual odyssey, however, human knowledge has reached a point where it has become capable of going beyond merely investigating matters related to the organization of the *created order*; it has now begun to investigate issues related to the event of *creation* itself. That knowledge which was given to Adam at the very beginning in the form of "Knowledge of the Names" symbolized a latent potentiality or capacity in the human being. After having passed through numerous stages of manifestation and exfoliation, the "knowledge of the Names" now stands at

THE PROCESS OF CREATION

A QURANIC PERSPECTIVE

By

Dr. Israr Ahmad

The following is based on the ideas expounded and discussed by Dr. Israr Ahmad in his Urdu booklet titled "*Ejad-o-Ibda-e-Alam say Aalami Nizam-e-Khilafat tak --- Tanuzzul aur Irtiqa kay Marahil*". Adding some points here and there, e.g. names of scholars and scientists, and a few explanatory lines, I have tried to keep the translated contents of the subject very close and faithful to the Urdu booklet. The argument and subject will be developed further in the next issue of Hikmat-e-Quran.

(Dr. Absar Ahmad)

(1)

INTRODUCTION

Given the specific juncture in human intellectual history at which we stand, we are in a unique position today to revisit the vexed philosophical issues of yesterday. The tremendous progress in the physical and social sciences today has put tools at our disposal that can be used to critically evaluate the hypotheses offered by the great minds of yesterday and to confirm, reject, or otherwise modify these hypotheses. At the same time, this progressive stride of human knowledge has provided fresh insights into the Revealed Word itself, just as it has been illuminated by the very same Revealed Word. The end result of this reflexive process is a more sharpened intellect and more precise analytical tools that can be brought to bear in the study of most acute and intractable issues that have dogged the human imagination since times immemorial. It is with this background in mind that we begin our exploration of the issues related to the process by which "possibility" emerged out of "Necessity" and "Contingency" emerged out of "Eternity".

PASSAGE FROM "NECESSITY BEING" TO THE CONTINGENT

According to Islamic theistic belief, only Allah is the "Necessary Being" and the "Eternal Being". In stark contrast, the vast expanse of space and time and the sum total of creation and existence (including human beings) are only "potentialities", "possibilities" and "contingencies". While there can be no dispute regarding these two beliefs the process by which "probability" emerged from "Necessity" and "contingency" from "Eternity" remains a topic of debate and contestation among the theologians. What stages did this process pass through? Is there only descent and devolution from the

[47] *Nafs* (pl. Anfus or Nufus) lexically means soul, the psyche, the ego, self, life, person, heart or mind. (Mu'jam, Kassis).

[48] Eating and drinking during the night of Ramadan. Its time starts from Isha until the light of dawn, but preferred time according to the Sunnah is just before dawn.

[49] Retreat in the Mosque during the last ten days of Ramadan. One confines himself to the mosque and devotes one's whole time to prayer and meditation along with the prescribed religious duties.

[50] Sahih Bukhari and Sahih Muslim Cf. Tafsir Ibn Kathir, explanation of Surah *Al-Baqarah*, ayah 188.

***

permitted to eat, drink and have sexual intercourse till the light of dawn is distinguished from the darkness of the night. The *sunnah* of the Prophet (SAW) indicates the encouragement of eating *Suhur* [48] just before dawn. "*But do not approach your wives while you stay in seclusion in the mosques.*" This refers to those who stay in *I'tikaf*[49] in a mosque. Allah (SWT) has prohibited the Muslims to have sexual intercourse with their wives during *I'tikaf*. "*These are the limits set by Allah so do not go near them. Thus Allah makes His Ayaat clear to mankind so that they may save themselves.*" Allah (SWT) has explained in detail what He has allowed and what He has prohibited regarding fasting. And He has commanded His servants not to transgress the limits set by Him, so that they may acquire righteousness.

وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾

(188) *And do not eat up one another's properties by unjust means nor approach the decision-makers therewith in order that you may eat up any portion of other people's property sinfully, while you know.*

One should not try to grab the properties of others through illegal means or by bribing the judges. A judge may decide in favor of the transgressor because of someone being more persuasive in presenting the argument, but it does not change the fact that the property unjustly earned by the transgressor remains unlawful for him. It is reported in the Two *Sahihs* (*Sahih Bukhari and Sahih Muslim*) that *Umm-e-Salamah* (RA) narrated that Allah's Messenger (SAW) said: "*I am only human! You people present your cases to me, and as one of you may be more eloquent and persuasive in presenting his argument, I might issue a judgment in his benefit. So, if I give a Muslim's right to another, I am really giving him a piece of fire; so he should not take it.*" [50] A judge is only a human and may make a mistake but the unjust person will still be accountable on the Day of Judgment for acquiring others' properties unlawfully and the judgment of the authorities in any case does not change the reality of the true position.

Endnotes

[41] Surah At-Taubah (9): 24.

[42] Surah As-Sajdah (32): 22.

[43] Surah Ibrahim (14): 22.

[44] Musnad Ahmed 5: 365, Al-Muwatta 1: 22, Abu Dawud 1: 64.

[45] Cf. 'Ethical Virtue in the Qur'anic perspective', by Dr. Absar Ahmed, included in his book 'Knowledge-Morality Nexus'.

[46] Literally, *qisaas* means "equal" or "balanced". In the book Tafsir al-Qurthubi, *qisaas* is also explained as "to follow the track of mark", and it comes therefore to mean that the treatment of the offender should be the same as his offence. *Qisaas*, according to Islamic legal terminology, is "specified punishment imposed by the *Shari'ah* as an obligation to be implemented in order to carry out the right of mankind."

Allah (SWT) is very near to a man, even nearer than the jugular vein. He is so near to His servants that He even answers those requests and prayers which a person does not express verbally but keeps within the innermost recesses of the heart. He hears every cry for help and gives to His devotee what is best in his interest, known to Him alone in His infinite wisdom. This *ayah* affirms that Allah (SWT) is near and close to each person, and accordingly there is no need for any external link or intercession between Him and His servants. Further Allah (SWT) says: *"So they should also respond to Me, and they should have faith in Me so that they may be rightly guided."* A person should answer and reciprocate by acting on the commandments of Allah (SWT), and have firm belief in Him so that he may be guided to the right path and veridical knowledge.

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ
أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ
يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ
عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝

(187) It is made lawful to you to approach your wives during the night in the (month of) fasting. They are your garments, and you are their garments. Allah knows that you were committing breach of trust with your own selves, but He turned to you in mercy and forgave you, so now have conjugal relations with them and seek what Allah has ordained for you. And eat and drink until the white thread of dawn appears to you distinct from its black thread, then complete your fast till the night. But do not approach your wives while you stay in seclusion in the mosques. These are the limits set by Allah so do not go near them. Thus Allah makes His Ayaat clear to mankind so that they may save themselves.

In the beginning, the Muslims who observed fast supposed that they were not allowed to have sexual intercourse with their wives after *Isha* prayer, but Allah (SWT) made the matters easier for them and allowed eating and drinking, along with having sexual intercourse with their wives, during any part of the night until the light of dawn is distinguished from the darkness of night. *"They are your garments, and you are their garments"* i.e. as clothes and the body are close to each other, husband and wife are closely related to each other; they conceal each other's defects and are a source of comfort to each other. *"Allah knows that you were committing breach of trust with your own selves, but He turned to you in mercy and forgave you, so now have conjugal relations with them and seek what Allah has ordained for you."* Some Companions (RAA) of the Prophet (SAW) confessed to the Holy Prophet (SAW) that they had had sexual intercourse with their wives during the *Ramadan* nights, without being sure whether it was allowed or not to do so. So Allah (SWT) revealed this *ayah* and forgave them and gave them permission to approach their wives during the nights of *Ramadan*. The Muslims are

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ
وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(185) *The month of Ramadan is the one wherein the Qur'an was sent down as guidance for mankind and clear proofs of the guidance and the criterion. So whoever among you is present in the month, he must fast therein, and whoever is sick or on a journey, then the prescribed number (should be made up) by days later. Allah intends for you ease & convenience and does not intend for you difficulty & hardship, so that you may complete the prescribed period and that you should magnify Allah for having guided you and so that you may be grateful.*

The month of *Ramadan* is that in which the *Qur'an* was revealed in the night of decree (*Layla-tul-Qadr*). As mentioned earlier, the *Qur'an* was revealed in two stages over a period of 22 years. At first, Allah (SWT) sent the *Qur'an* down all in one go (i.e. in its totality) from the Preserved Tablet to the House of Might (*Bayt-ul-Izzah*), which is in the heaven of this world. Then it came down in parts to the Messenger of Allah in the context of the historical incidents that occurred over a period of twenty two years. This Book is the guidance for *Muttaqun* (Allah-fearing and the righteous) who believe in it and follow its commandments and it contains clear and unambiguous signs and a criterion between right and wrong for those who understand and have discerning minds. "*So whoever among you is present in the month, he must fast therein.*" This commandment abrogated the *ayah* that allows a person either to fast in *Ramadan* or pay *Fidyah*. "*And whoever is sick or on a journey, then the prescribed number (should be made up) by days later.*" A sick person or a traveler is allowed not to fast, but he will have to compensate for the missed fasts on other days. "*Allah intends for you ease & convenience and does not intend for you difficulty & hardship, so that you may complete the prescribed period and that you should magnify Allah for having guided you and so that you may be grateful.*" Allah (SWT) has made matters easy for His servants and through His mercy, He allows a sick person or a traveler to refrain from fasting in *Ramadan* and then complete the number in other days, so that His servants glorify Him and be grateful to Him for these concessions. This shows that fasting in *Ramadan* has not only been prescribed as a form of worship or training of a Muslim, but also to show gratitude for the great favor of the revelation of *Qur'an* in the holy month of *Ramadan*.

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ
يَرْشُدُوْنَ ۝

(186) *And when My bondsmen ask you about Me, then of course I am near. I respond to the call of a suppliant whenever he calls Me. So they should also respond to Me, and they should have faith in Me so that they may be rightly guided.*

relatives who do not qualify as inheritors, from one third of his property at most.

فمن بدله بعد ما سمعه فإنما إثمه على الذين يبدلونه إن الله سميع عليم ۝

(181) Then whosoever changes it (the will) after he has heard it, so its sin would only be upon those who change it. Verily Allah is All-Hearing, All-Knowing.

To alter a will is a major sin and those who change it will be guilty, while there will be no blame on the dead person who made the will. And Allah (SWT) knows what the dead person had bequeathed and knows those who hide or change the will.

فمن خاف من موص جنفا أو إثما فأصلح بينهم فلا إثم عليه إن الله غفور رحيم ۝

(182) But whoever fears partiality or wrongdoing on the part of the testator, and thereupon settles the matter between the parties, there is no sin upon him. Verily Allah is Most-Forgiving Most Merciful.

If any injustice has been done to the rightful heirs or those in favor of whom the bequeath has been made, it is allowed to alter the will to make a proper settlement between the parties, within the provisions of the Islamic law and respecting what the dead person had wished for. Allah (SWT) is Forgiving and Merciful.

يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون ۝

(183) O you who believe! Fasting is made obligatory upon you as it was made obligatory over those who were before you, so that you may learn self-control.

Allah (SWT) says that He has ordained fasting for Muslims as He ordained it for previous nations, namely the Jews and the Christians. Fasting is a means for restraining and controlling the *nafs* [47]; it purifies the souls and cleanses them from the evil and ill behavior. Through fasting, a believer is able to guard himself against evil.

أياما معدودات فمن كان منكم مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر وعلى الذين يطيقونه فدية طعام
مسكين فمن تطوع خيرا فهو خير له وأن تصوموا خير لكم إن كنتم تعلمون ۝

(184) (Fasting) for a fixed number of days. But if any of you is ill or on a journey the prescribed number (should be made up) from days later. And for those who can do it (with hardship) is a ransom--the feeding of one that is indigent. But whoever gives more voluntarily; it would be better for him. However your fasting is better for you if you but know.

The injunctions related to fasting were revealed gradually. In the beginning Prophet Muhammad (SAW) instructed the Muslims to observe fast for every three days in a month but it was not made obligatory. Then the command of fasting in *Ramadan* was revealed but there was an option for a sick person, a traveler and for those who did not wish to fast, to pay *fidyah* instead (feeding a poor person). But this concession was later abrogated in the next *ayah*. "*However your fasting is better for you if you but know.*" This was abrogated in the next *ayah* when fasting in Ramadan was made obligatory.

any reasonable demand and compensate him with handsome gratitude. This is a concession and a mercy from your Lord. So whoever violates the limits after it, then for him is a painful punishment.

In this *ayah*, the law of *'qisas'*[46] i.e. the principle of equality of the value of human life, has been set forth in detail. Before the advent of Islam, the practice after a murder was a chain of brutal and bloodthirsty reactions. The families and the tribes of both the slayer and the slain used to engage themselves into a war, generation after generation and they would take the lives of innocent men, women and children from the clan of the murderer. Islam, through the Prophet (SAW) put an end to this barbaric human behavior and gave a just and kind system of justice where the retribution of a murder is not to be determined by the rank of the slain or the murderer but with equality and justice. It has therefore been clearly stated that the murderer himself shall be made to pay for the blood but the heirs of the slain have the choice to pardon the murderer if someone pays them the blood price on his behalf. *"And compensate him with handsome gratitude"* i.e. the heirs of the slain should accept the compensation in rightful manner. *"This is a concession and a mercy from your Lord"* i.e. this concession in punishment is alleviation from Allah (SWT) that was not allowed for any other nation. *"So whoever violates the limits after it, for him is a painful punishment."* This warning is for those heirs of the slain who accept the blood money and still kill the murderer in retaliation. The whole penalty can be remitted if the aggrieved party agrees, out of brotherly love. In meeting that demand, the culprit should equally be generous and acknowledge the good will of the other side. One who transgresses will face severe punishment in the Hereafter.

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝

(179) *And in the enforcement of the law of equitable retribution is life for you, O men of wisdom! So that you may restrain yourselves.*

The purpose of ordaining the penalty for the crime is to make people abstain from evildoing.

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۝

(180) *It has been made obligatory upon you, when death approaches any of you and he leaves any property, that he must execute a will for the parents and the next of kin equitably – being an obligation over the God-fearing.*

When the *ayah* of inheritance in *surah An-Nisa* was revealed, this *ayah* was abrogated. So the deserving inheritors receive their fixed shares as prescribed by Allah (SWT) in *surah An-Nisa* and it is not incumbent anymore on Muslims to make a bequeath for their parents or their kin. But according to the *sunnah* of the Prophet (SAW), a person is allowed to make a will for charitable purposes and for those

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى
الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ
الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

(177) *It does not accomplish righteousness that you turn your faces toward the East and the West; but the accomplished righteousness is that (of him) who believes in Allah, the Last Day, the angels, the Book and the Prophets; and gives wealth in spite of its love, to the relatives, the orphans, the needy, the way-farer, those who ask, and in (ransoming) the enslaved; and (of) those who fulfill their promise whenever they make an agreement; and the steadfast in distress and affliction and in times of war. Such are the people who prove (their faith) true, and they are the only righteous ones.*

The theory and a holistic definition of piety and righteousness has been mentioned in this *ayah* and it gives a comprehensive and clear description of the righteous and Allah-fearing man. As far as the context of this *ayah* is concerned, Allah (SWT) first commanded the Muslims to change the *Qiblah* from *Bayt-ul-Maqdis* (Jerusalem) to the *Ka'bah.* This change did not go well with the Jews, but Allah (SWT) clarified the wisdom behind this change by asserting that there is no real virtue in the mere act of turning your faces to the east or to the west in the prayer, unless it is commanded by Allah (SWT). Allah (SWT) says that far from deadening formalism, the real virtue and righteousness is that a person should obey all the salutary regulations and should make his sincere motive the love of Allah (SWT) and the love of his fellow men for the sake of Allah (SWT). Here we have four elements of righteousness: *(a)* One's faith should be true and sincere, (*b*) one should be prepared to make it manifest in deeds of charity and kindness to fellow men, and one must be a good citizen by supporting charitable institutions and social organizations, (*c*) one must pray regularly and pay obligatory annual poor-due, and (*d*) one must be steadfast and unshakeable in all circumstances. It is clear therefore that righteousness is not merely a matter of void utterances, it must be found on strong faith and constant practice. It must cover the person's thinking and action and extend to his inside and outside life, to his individual and corporate affairs[45]. Only those who acquire these qualities are truthful in their faith and are pious and Allah fearing.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ
مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ
ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(178) *O you who believe! The law of equitable retribution has been made incumbent upon you in cases of murder – the free for the free, the enslaved for the enslaved, and the female for the female. But if any remission is made for him (the murderer) by the 'Wali' (entitled to receive blood-money), then grant*

"That whereon is invoked any other name except that of Allah" i.e. any offerings or sacrifices in the name of anyone or anything other than Allah (SWT). *"But whoever has no other option (he may eat)—without being pleased or exceeding the limits, in that case there is no sin upon him. Certainly, Allah is Most Forgiving, Ever Merciful."*

Allah (SWT) has, however, permitted to eat from things which are prohibited in the time of utter necessity. For instance, when it is needed for survival on account of an illness or when there is absolutely nothing lawful available. But the permission has been given on two conditions. Firstly, one should not have a desire to eat what Allah (SWT) has prohibited, and secondly only that much should be taken which meets the minimum requirement for survival.

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ
وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

(174) Verily those who conceal what Allah has sent down of the Book and obtain therewith a petty consideration, they do not eat into their bellies but the Fire. And Allah will not speak to them on the Day of Resurrection, nor will purify them, and for them is a painful torment.

Allah (SWT) criticizes the Jews for concealing the Prophethood of Muhammad (SAW). As mentioned earlier, the Jews recognized Prophet Muhammad (SAW) as a Messenger of Allah just as they recognized their own sons but hid the truth so as to retain the joys and delights of this earthly life. Allah (SWT) states that they have earned His wrath and that He will not look at them or speak to them on the Day of Resurrection and will punish them with a severe torment. Grievous will be the penalty of the rejecters of faith and Allah (SWT) will not purify them.

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝

(175) They are those who buy error in place of Guidance and torment in place of forgiveness. So how much steadfast are they on the (way to) Fire!

Instead of believing in Prophet Muhammad (SAW), they rejected him and preferred error and misguidance over the truth and punishment over forgiveness because of their stubbornness and arrogance. They know what torture and woeful torment they will suffer but still persist in their misguidance and ignorance.

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتٰبِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

(176) That is because Allah has sent down the Book with the truth, and verily those who differ concerning the Book are definitely in a far-flung schism.

Allah (SWT) has sent the *Qur'an* to Prophet Muhammad (SAW) just as He sent other books, which brought guidance and truth and exposed falsehood, to Prophets before him. But they reject the Messenger (SAW) and the Book revealed to him and are in extreme schism. That is why they deserve a great torment and punishment.

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

(170) *And when it is said to them: "Follow what Allah has sent down", they say: "Instead we shall follow what we found our forefathers on – what! Even though their forefathers had not been sensible, nor were they on the right track.*

This *ayah* strongly condemns blind following of the traditions of one's ancestors without considering whether they tally with the *Qur'an* and the *Sunnah* of Prophet Muhammad (SAW) or not. The disbelievers, when asked to follow the way of Allah (SWT) and His Prophet (SAW), say that they will follow their forefathers only, who worshipped idols and were disbelievers. So Allah (SWT) says: "*What! Even though their forefathers had not been sensible, nor were they on the right track*" i.e. will they still follow their forefathers and imitate their practices even when they know that those whom they follow had no knowledge and guidance?

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

(171) *And the example of those who disbelieve is as the example of him who shouts at that (flock of sheep) which listens to nothing except a call and cry. (They are) deaf, dumb and blind, so they have sense.*

A disbeliever is devoid of understanding and preaching before him is like preaching to the cattle, which only listen to the sounds but are incapable of understanding their meaning. So Allah (SWT) says that those who cover themselves with the dark veil of ignorance are deaf, dumb and blind. That is to say, those who reject faith are like dumb driven cattle that can merely hear calls, but cannot distinguish intelligently between meaning and absurd discourse.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝

(172) *O you who believe! Eat of the nice (lawful) things which we have provided you and pay thanks to Allah if you worship Him, and only Him.*

Allah (SWT) commands the believers to eat from the pure and lawful things He has provided for them on this earth, if they truly are His servants. Indeed, gratitude for Allah's gifts is an important form of worship.

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(173) *He has only made unlawful for you the carrion, blood, flesh of swine and that whereon is invoked any other name except that of Allah; but whoever has no other option (he may eat) – without being pleased or exceeding the limits, in that case there is no sin upon him. Certainly, Allah is Most Forgiving, Ever Merciful.*

Carrion means dead animals which die before being slaughtered. However, dead animals of the sea are excluded from this ruling as the Prophet (SAW) said: "*Its water is pure and its dead are permissible.*"[44]

you can help me. I reject what you did before; that you associated me with Allah (SWT). Certainly such wrongdoers will have painful punishment." [43] And when those who lead people astray and those who follow them will see Allah's punishment, they will denounce each other, but will not find a way to escape from the Hellfire.

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝

(167) *And those who followed will say: "If a return were possible for us, we would disown them as they have disowned us". Thus Allah would show them their actions as regrets to them, and they would not be able to escape from the Hellfire.*

Allah (SWT) describes the condition of the idolaters in the Hereafter, when they will denounce the idols and leaders they used to follow and will wish that they could return to this world so that they can denounce them as they have denounced them and instead worship Allah (SWT) alone. *"Thus Allah would show them their actions as regrets to them"* i.e. their deeds will become nothing but dust and will be of no avail.

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

(168) *O Mankind! Eat from whatever is in the earth (provided it is) lawful and clean. And do not follow the footsteps of Satan; verily he is to you a manifest enemy.*

Allah (SWT) alone is the Sustainer of all creation and He has allowed His servants to eat any of the lawful things on earth and avoid unlawful things. Unlawful things are not only those directly prohibited by Allah (SWT) but even lawful things acquired unlawfully—by usurpation or theft or cheating etc. And Allah (SWT) says: *"And do not follow the footsteps of Satan; verily he is to you a manifest enemy"* i.e. do not follow the ways and methods through which Satan misguides people and follow only the way of Allah (SWT) which has been shown by the Prophet (SAW), as Satan only invites his followers towards sin and immorality so that they may become the inmates of Hellfire.

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(169) *He only enjoins upon you the evil and the lewd, and that you attribute to Allah what you do not know.*

Satan commands his followers to commit evil acts like adultery, theft, gambling, usury and even worse than that i.e. saying something about Allah (SWT) without knowledge. Satan makes them believe in superstitions and baseless and unfounded customs as a part of their religion, although there is no proof of their being from Allah (SWT). We find examples of this in the Jews who prohibited the meat of camels when it was not made unlawful by Allah (SWT) and the pagan Arabs who would prohibit some animals because of ascribing them to their idols and gods.

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝

(165) *And among the people are those who set up besides Allah, parallels whom they love as they ought to love Allah, whereas the believers are most ardent in love for Allah. And if those who carry out injustice, could visualize that when they will face the torment, (they will admit) that all the strength rests with Allah in toto and that Allah is stern in punishing."*

Many people associate rivals and equals with Allah (SWT), worshipping them and attributing some of the exclusive properties and powers of Allah (SWT) to them. Allah is the Supreme Authority and it is only He who holds the right to prescribe what is lawful and what is unlawful and define the rights and duties for His subjects. But there are people who ascribe some of these attributes to other ideologies, institutes or persons, who are dearer to them than Allah (SWT). At another place Allah (SWT) says:

"O Prophet, tell them: If your fathers, your sons, your brothers, your spouses, your relatives, the wealth that you have acquired, the business in which you fear a loss, and the homes which you like are dearer to you than Allah, His Messenger, and making Jihad in His Way, then wait until Allah brings about His decision. Allah does not guide the transgressors." [41]

In contrast, a true believer's only priority is to please Allah (SWT). He loves Him and thus obeys His commandments, fears His wrath and is ready to sacrifice all other affections for His sake, be it his wealth and property, his nation, his ideology or his family. *"And if those who carry out injustice, could visualize that when they will face the torment, (they will admit) that all the strength rests with Allah in toto and that Allah is stern in punishing"* i.e. if the disbelievers could see the punishment they would face in the Hereafter because of the partners they ascribe to Allah (SWT), they would never return to the deviation of setting up rivals and equals to Allah (SWT). And as Allah (SWT) has stated in another *ayah*: *"Who could be more unjust than the one who is reminded of the revelations of his Lord and he turns away from them? Surely We shall take vengeance on such criminals."* [42]

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝

(166) *When, those who were followed will renounce those who followed; and (the moment) they face the torment, all the connections would be cut off from them.*

The misguided leaders, saints and the Jinns who lead people astray in the world will disown their followers on the Day of Judgment as Allah (SWT) says: "Once the matter has been decided (on the Day of Judgment), Satan will say (to his followers): "In fact, the promises which Allah (SWT) made to you were all true; I too made some promises to you but failed to keep any of them. However, I had no power over you. I just invited you, and you accepted my invitation. Now! Do not blame me, but blame yourselves. I cannot help you, nor

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Al-Baqarah

(Ayaat 164-188)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ
أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ ﴿١٦٤﴾

(164) *Certainly, in the creation of the heavens and the earth, the alternation of the night and the day, the ships that sail in the sea alongwith what benefits people, the water which Allah sends down from the sky, then revives therewith the earth after its death, and spreads therein all kinds of living creatures, the veering of the winds, and the clouds made subservient between the sky and the earth, are definitely signs for people who have sense.*

This *ayah* gives the proofs that Allah (SWT) is the only Deity. He is the creator of the heavens and the earth and all the creatures in them and they all testify to His oneness. The structures, mountains, valleys, deserts and seas within them display His ineffable creativity spread out before us. *"The alternation of the night and the day"* refers to the coming of day and night one after the other. *"The ships that sail in the sea alongwith what benefits people"* refers to the traveling of people from one shore to another carrying food and goods that benefit people. *"The water which Allah sends down from the sky, then revives therewith the earth after its death, and spreads therein all kinds of living creatures"*. Another sign of Allah's Omnipotence and Greatness is the rain which He sends down from the sky and invests life therewith in the lifeless and brings forth grains and fruits of every variety for His creatures. *"The veering of the winds, and the clouds made subservient between the sky and the earth* i.e. sometimes they bring the mercy of Allah (SWT), and sometimes trouble and torment. *"Are definitely signs for people who have sense"*. It is only those who give deep thought to Allah's signs who can know their true significance and the metaphysical reality that lies beneath the outward surface of things. In all the variegated natural phenomena mentioned in this *ayah* are signs and portents of Divine existence for people who understand and have discerning minds.

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

دینی وعصری علوم کی منفرد دانش گاہ

کُلّیۃ القرآن (قرآن کالج)

(وفاق المدارس سے الحاق شدہ)

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

بورڈ/یونیورسٹی کی تعلیم کے ساتھ درسِ نظامی کا مکمل نصاب

قیام وطعام کی سہولت موجود ہے

علمِ دین اور فکرِ حاضر کے حسین امتزاج کی ایک منفرد کوشش

خصوصیات

☆ تجربہ کار، اعلیٰ تعلیم یافتہ مدرسین
☆ قرآنی موضوعات پر خصوصی فکری وعملی رہنمائی
☆ تعلیم وتربیت کا بہترین انتظام
☆ طلبہ کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے بہترین مواقع
☆ علوم اسلامیہ کے ساتھ جدید علوم یعنی درس نظامی مع میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے
☆ اسباق وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ کے نصاب کے مطابق
☆ خوبصورت عمارت اور کلاس رومز
☆ کمپیوٹر لیب ☆ بہترین اور مکمل لائبریری
☆ کانفرنس اور مذاکرہ ہال
☆ اسلامی اخلاقیات کی مکمل پابندی
☆ رہائش کے لیے بہترین ہوادار اور روشن کمرے
☆ خوراک حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق
☆ طلبہ کی تدریسی ضروریات پوری کرنے میں معاونت
☆ وقت کا موثر استعمال
☆ مواقع تفریح کی فراہمی

شرائط داخلہ

☆ درجہ اولیٰ کے لیے متوسطہ یا مڈل پاس، ثانیہ کے لیے نہم اور اولیٰ پاس اور ثالثہ کے لیے وفاق المدارس سے عامہ اور بورڈ سے میٹرک پاس ہونا لازمی ہے۔
☆ دیگر تعلیمی اداروں سے کم از کم مڈل
☆ اپنے علاقے کے عالم دین سے یا سابقہ مدرسہ سے تصدیق نامہ
☆ سرپرست کی طرف سے ضمانت نامہ
☆ ٹیسٹ اور انٹرویو میں کامیابی

مقامی ودیگر شہروں کے طلبہ کے لیے درجہ اولیٰ وثانیہ (میٹرک) اور ثالثہ میں نئے تعلیمی سال کے داخلے جاری ہیں

معلومات داخلہ

☆ نئے سال کے لیے داخلہ کے خواہش مند طلبہ 16 جولائی سے کلیۃ القرآن آفس سے داخلہ فارم اور انٹری ٹیسٹ کے لیے سلیبس وصول کر سکتے ہیں۔
☆ داخلہ کے لیے انٹری ٹیسٹ اور انٹرویو پاس کرنا لازمی ہے۔ 20 ستمبر کو انٹری ٹیسٹ اور انٹرویو ہوگا۔
☆ مزید معلومات کے لیے ناظم اعلیٰ کلیۃ القرآن، ناظم شئون الطلاب قرآن اکیڈمی لاہور سے رابطہ کریں!

دیگر شہروں میں رابطہ مراکز:

- کراچی: قرآن اکیڈمی، DM-55 درخشاں، خیابان راحت، فیز 6، ڈیفنس کراچی
فون: 3-5340022(021)
- پشاور: A-18 ناصر مینشن، شعبہ بازار، ریلوے روڈ نمبر 2۔ فون: 2214495 (091)
- ملتان: قرآن اکیڈمی، 25 آفیسرز کالونی
فون وفیکس: 6520451(061)
- فیصل آباد: انجمن خدام القرآن قرآن اکیڈمی روڈ، سعید کالونی نمبر 2۔ فون: 8520869(041)
- اسلام آباد: 31/1 فیض آباد ہاؤسنگ سکیم 4/8-1
فون: 4434438(051)

برائے رابطہ

ناظم اعلیٰ کُلّیۃ القرآن (قرآن کالج) 191۔ اتاترک بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35833637-35860024(042)

ذیلی دفتر: قرآن اکیڈمی K-36 ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: 3-35869501(042)
فیکس: 35834000(042)، ای میل: irts@tanzeem.org